بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ لَمُضْغَۃٌ اذاصَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ
وَاِذا فَسَدَتِ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ ا لَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری کتاب الایمان ۵۰)

بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار وہ قلب ہے۔

دل
کی بیماریاں اور انکا
علاج

مؤلف

مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری آصف پاشاہ

سجادہ نشین بارگاہ شجاعیہ و متولی جامع مسجد شجاعیہ چارمینار

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام	:	دل کی بیماریاں اور انکا علاج
موضوع	:	
مؤلف	:	مولانا سید شاہ عبیداللہ قادری آصف پاشاہ
		سجادہ نشین بارگاہ شجاعیہ ومتولی جامع مسجد شجاعیہ چار مینار
ناشر	:	شعبۂ نشر واشاعت انجمن خادمین شجاعیہ آندھراپردیش
تعداد	:	500
ترتیب وتزین	:	
سنہ اشاعت	:	۲۰۱۲ء
ہدیہ	:	روپئے
کمپوزنگ وطباعت	:	لمعان کمپیوٹر گرافکس اینڈ پرنٹرس
		چھتہ بازار، حیدرآباد۔ رابطہ: 9440877806

ملنے کے پتے

۱) خانقاہ شجاعیہ، نمبر ۳۵-۵-۲۲، واقع عقب جامع مسجد شجاعیہ چار مینار، حیدرآباد۔

۲) بارگاہ حضرت قطب الہند حافظ سیدنا میر شجاع الدین حسین قادریؒ

عیدی بازار، حیدرآباد۔ فون: 040-66171244

فہرست مضامین

دل کی بیماریاں اوران کا علاج

سلسلہ عنوان	مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	5
۲	دل کی بیماریاں اوران کا علاج	7
۳	حبِ دنیا (دنیا سے محبت)	20
۴	حرص وطمع (لالچ)	34
۵	بخل (کنجوسی)	45
۶	ریاکاری (دکھاوا)	52
۷	تکبر	64
۹	حسد	78
۱۰	غصہ	89
۱۱	حرص گویائی (زیادہ باتیں کرنے کی عادت)	94
۱۲	بدگمانی	99

پیش نظر کتاب میں اصلاحِ قلب کیلئے جن رزائل سے قلب کا پاک ہونا لازمی ہے ان میں سے کچھ کو اختصار کے ساتھ جمع کیا گیا ہے تاکہ موجودہ بھاگ دوڑ والی زندگی میں مختصر سے وقت میں اس اہم موضوع پر ضروری معلومات حاصل ہوں............ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

پیش لفظ

دین اسلام میں اصلاح قلب کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے ہادی دو جہاں طبیب القلوب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال یعنی احادیث اور عملی تربیت کا نمونہ صحابہ تا قیامِ قیامت تمام انسانیت کی رہنمائی کیلئے عطا فرمائے ہیں۔ یہ بات کتاب اللہ اور احادیث شریفہ سے ثابت شدہ ہے کہ قلب انسانی جب تک رزائل سے (بری صفات) سے پاک نہ ہو فلاح دارین اسکو میسر نہیں آسکتی اور اسی صفائی قلب کو قرآن پاک میں تزکیہ، حدیث شریف میں احسان اور اصطلاح میں تصوف کہا گیا ہے اور اس کا حصول شیخِ کامل کی صحبت و تربیت ہی سے ممکن ہے۔ پیش نظر کتاب میں اصلاحِ قلب کیلئے جن رزائل سے قلب کا پاک ہونا لازمی ہے ان میں سے کچھ کو اختصار کے ساتھ جمع کیا گیا ہے تا کہ موجودہ بھاگ دوڑ والی زندگی میں مختصر سے وقت میں اس اہم موضوع پر ضروری معلومات حاصل ہوں تا کہ پڑھنے والے کی توجہ اصلاحِ قلب کی طرف مبذول ہو سکے اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار بیجا نہ ہوگا کہ اس موضوع پر اکابرینِ امت کی بلند پایہ تصانیف موجود ہیں جن میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے مگر جیسے عرض کیا گیا ہے کہ مصروفیتِ دنیوی سے آج کے دور میں کہاں اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ ضخیم کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکے۔ لہذا عامۃ المسلمین اور بالخصوص اہل سلسلہ کیلئے استفادہ، اس کتاب کا سببِ تالیف

بنا۔اس موقع پر استاذی مولانا شیخ عبدالغفور صاحب شیخ التجوید جامعہ نظامیہ کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنے قابل قدر مشوروں سے نوازا جو اس تالیف میں میرے لئے بڑے کار آمد ثابت ہوئے۔

اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کے مقلب القلوب احقر کی اس سعی کو قبول فرمائے اور زمرہ **قولا سدیدا** میں شامل فرمائے اور زمرہ **لما تقولون مالا تفعلون** سے محفوظ فرمائے۔

آمین بجاہ سید الاولین والآخرین۔

المرقوم : ۳؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

احقر العباد

سید شاہ عبیداللہ قادری آصف پاشاہ

سجادہ نشین بارگاہ شجاعیہ ومتولی جامع مسجد شجاعیہ چار مینار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم.امابعد

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک امامُ الانبیاء والرُسل حضرت سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کو اپنے مقدس کلام میں مختلف مقامات پر مختلف انداز سے ذکر فرمایا ہے کہیں بشیر و نذیر کہیں رحمۃ للعلمین کہیں رؤف ورحیم غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتوں کو جو تمام خلائق کیلئے سراپا کرم اور حق تعالیٰ کی طرف سے نعمت عظمیٰ ہے بیان فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے احسان قرار دیا۔

[۱] لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۶۴ اٰلِ عمران)

(ترجمہ: بے شک اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے (عظمت والا) رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور اس آیت مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمائے جانے کے مقاصد میں تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ خاص طور پر تزکیہ کا ذکر فرمایا۔ یعنی آپ ﷺ کی ایک حیثیت مُزکِّی یعنی پاک وستھرا بنانے والے کی ہے۔اور اصطلاح میں تزکیہ کہتے ہیں نفس انسانی کا رزائل یعنی بُری صفات سے پاک ہونا اور کسی بھی انسان کی کامیابی دارین کیلئے اُس انسان کا تزکیہ ہونا یعنی اُس کے باطن سے رزائل یا بُری صفات کا زائل ہونا ضروری ہے۔جس پر یہ آیتِ پاک دلالت کررہی ہے۔

[۲] قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا. (سورہ شمس ۹/۱۰)۔بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رزائل سے) پاک کر گیا اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کرلیا۔ہائے انسان کی مجبوری ومحتاجی کہ وہ کیسے جانے کہ رزائل کیا ہیں؟ ان کا محل ومرکز کیا ہے؟ اِن سے بچنے کی تدبیر کیا ہے؟ ان کا علاج اور پرہیز کیا ہے؟ قربان جایئے طبیبِ قلب وروح کے جن کو اللہ تعالیٰ نے سراپا نور وہدایت بنا کر بھیجا جن پر تمام کمالات کی انتہا فرمادی جو قیامت تک تمام جن وانس کیلئے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے وہ فرماتے ہیں۔

''اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اذاصَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتِ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلاَ وَهِیَ الْقَلْبُ'' (بخاری کتاب الایمان ۵۰) ترجمہ(بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار وہ قلب ہے)۔

اس ارشاد پاک کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ قلب انسانی یا انسان کا دل ہی وہ مقام ومحل ہے جس کے سنورنے اور سدھرنے پر سارے اعضاء ظاہری سنور جاتے ہیں یعنی اطاعت گزارِ خدا ورسول بن جاتے ہیں۔اور جس کے بگڑنے پر یہ سارے اعضاء اللہ ورسول کے نافرمان بن جاتے اور بگڑ جاتے ہیں۔اس ارشادِ پاک سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ قلب یا دل کی حیثیت جسم میں بادشاہ کی سی ہے اور اعضاءِ جسم مثل اس کی رعیت کے ہیں، یہ سارے کے سارے دل کے تابع ہیں کہ بادشاہ (دل) انہیں جس سمت لے جاتا ہے وہ ادھر جاتے ہیں اب دل اگر مفسد ہوگا تو وہ اپنی رعیت (اعضاء) کو بُری سمت لے جائیگا اور اگر دل صالح ہوگا تو وہ انکو اچھی سمت لے جائیگا۔لیکن یہ بات طئے ہے کہ جسم کی سلطنت میں اختیار تو دل کا چلتا ہے

اسلئے لازمی ہوا کہ دل کو سنوارا جائے اور اس کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ کی جائے کہ اس کے سنورنے اور بگڑنے پر ہی تمام اعضاء کے سنورنے اور بگڑنے کا مدار ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں فساد یا بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں بُرے صفات جم جاتے ہیں جن کو رزائل کہتے ہیں تو اس میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حالت اس کی مرض کی سی ہے اور جس طرح ظاہری جسم میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو جسم کا اعتدال بگڑ جاتا ہے اور وہ چیزیں جو حالت صحت میں کھانے پینے پر لذت دیتی تھی اب وہی چیزیں بدمزہ اور کڑوی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ٹھیک اسی طرح جب انسان کے باطن میں فساد پیدا ہوتا ہے تو وہ تمام چیزیں جیسے عبادات، ذکر، تلاوت وغیرہ جو حالت صحت میں لطف دیتی تھی بار اور مشکل معلوم ہوتی ہیں۔اور جب تک مرض دور نہ ہو اُس وقت تک یہی حال رہتا ہے اور جب مرض دور ہو جاتا ہے تو پھر اپنی اصل حالت پر لوٹ آتا ہے اور ان چیزوں میں لذت پاتا ہے جو ایک صحتمند قلب کو محسوس ہوتی ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قلب میں یہ بیماری پیدا کیوں ہوتی ہے اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟ تو جاننا چاہیئے کہ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں منجملہ ان میں کے ایک وجہ یہ ہے کہ دل کا نورِ ایمان سے خالی اور کفر، شرک ونفاق میں مبتلا ہونا ہے۔یہ ایسی وجہ ہے کہ جب تک دل سے کفر وشرک ونفاق کی ظلمت نورِ ایمان سے نہ بدل جائے اُس دل کا مداوا یا علاج ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ایمان کا نشتر ہی اس فاسد مادہ کو خارج کرسکتا ہے۔ایمان کے بعد اتباع رسول ہی اس کا مستقل علاج ہے جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے اور جو قلوب کھلی ہدایت اور روشنی کے پانے کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کرتے ہیں تو پھر ان کی قبول ہدایت کی عدم استعداد کی

بنیاد پر ان کو مہر بند کر دیا جاتا ہے اور وہ کبھی بھی فلاح یاب نہیں ہو سکتے یہ خدائی فیصلہ ہے جیسا کہ اس ذات پاک نے اپنے مقدس کلام میں یہ بات واضح طور پر بیان فرمادی۔

[۳] خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌO (۲سورہ بقرہ ۷)

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

اور دوسری وجہ دل کے بیمار ہونے یا اس میں فساد پیدا ہونے کی دنیا سے محبت ہے۔ انسان جب دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس پر غفلت کے ایسے پردے پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے اور خواہشات کے دامِ فریب میں ایسے مبتلا ہو جاتا ہے کہ خواہشات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے اور پھر اس میں بھی جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے جس کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا گیا ہے ۔

[۴] فَرَئیتَ مَنْ تَّخذَ اِلٰهَهٗ هَوٰیهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ علی علم (سورہ الجاثیہ۔۲۳)

ترجمہ: کیا آپ نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو ہدایت سے دور کر دیا۔

کہ وہ خواہشات کی ایسی پیروی کرتا ہے جیسے معبود کی بندہ پیروی کرتا ہے۔ یہ انتہائی بات تو کفار کیلئے کہی گئی ہے لیکن اس سے کم درجہ کی دنیا کی محبت میں ایک ایمان والا بھی پھنس سکتا ہے۔ لیکن جو نورِ ایمان اس کے دل میں ہے اس کی وجہ سے وہ اس بیماری سے نجات پا سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اتباع رسالت کو اختیار کرے اور غفلت سے یاد الٰہی کی طرف لوٹ آئے

تو یہ مرض دور ہوسکتا ہے کیونکہ یہ مرض لا علاج نہیں ہے۔

تیسری وجہ دل کے اندر فساد پیدا ہونے کی بُرا ماحول یا بری صحبت ہے۔ کیونکہ بُرے ماحول اور صحبت کے اثر کا ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیماتِ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور تجربہ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ ماحول اور صحبت کے اثر نے نہ صرف افراد بلکہ قوموں کو سنوارا اور بگاڑا ہے۔ اس لئے اچھی صحبت اور پاکیزہ ماحول کو اختیار کرنے کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے۔ انسان جب بُری صحبت میں رہتا ہے تو بُرے لوگوں کی صفات کا اثر غیر شعوری طور پر ضرور قبول کرتا ہے اور بُرے صفات دل میں گھر کر جاتے ہیں جس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ انسان کو جب اس دنیا میں بھیجتا ہے تو بالکل گناہوں اور رزائل سے پاک وصاف حالت میں بھیجتا ہے ماحول کا اثر اور صحبت اس کو گناہوں اور رزائل کی طرف لے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ **وعن اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہُ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمُ مَامِنُ مَولُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدنٰہٖ او یُنَصِّرانِہٖ او یُمَّجسانِہٖ** (ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نومولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پس اسکے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانیت ومجوسیت کی جانب مائل کردیتے ہیں)۔

(مشکوٰۃ شریف)

چوتھی وجہ دل میں فساد پیدا ہونے کی شہوات نفسانی میں کثرت سے مبتلا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقا کیلئے انسان میں کھانے، پینے، سونے اور جماع کی خواہش رکھی ہے اور یہ تقاضے ہر ایک جاندار میں موجود ہیں۔ انسان بالکلیہ طور پر ان چیزوں سے اپنے آپ

کو روک لے یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ فرشتوں کا خاصہ ہے اور انسان ان چیزوں یعنی کھانے پینے سونے اور جماع کرنے ہی میں لگا رہے یہ بات بھی بُری ہے کہ یہ جانوروں کا خاصہ ہے تو جو لوگ ان چیزوں کے برتنے میں اعتدال کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تو بُرے صفات کے پیدا ہونے کا اور دل میں فساد کا سبب بنتا ہے۔ اسی لئے ہمارے دین نے شہوات کی اتباع کرنے اور شہوات کے پیچھے پڑے رہنے سے منع فرمایا ہے اور اس بارے میں اعتدال کو ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہ بات جب معلوم ہوگئی کے دائمی کامیابی کیلئے نفس کا تزکیہ ضروری ہے اور نفس کے تزکیہ کیلئے دل کا فساد سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ انسان کا دل اس کے سارے جسم پر حاکم کی حیثیت رکھتا ہے اور دل کے بگڑنے کے اسباب وجوہات کو بھی ہم نے جانا تو اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ دل کی وہ کونسی بیماریاں ہیں جو دل کو خراب کردیتی ہیں کہ جس کے اثر سے تمام اعضاء بگڑ جاتے ہیں اور تمام جسم میں نافرمانی ومعصیت کا فساد برپا ہوجاتا ہے اور جن کے دفع ہونے سے دل تندرست اور اعضاء یا جسد انسانی خدا اور رسول کا فرمانبردار ہوجاتا ہے اور ان بیماریوں کا علاج کیا ہے اس سے متعلق کچھ تفصیل بیان کرنے سے قبل ایک بات کی وضاحت نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالیہ کے مطابق انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اس سے کیا یہ دل کی ظاہری صورت مراد ہے یا اس ظاہری صورت میں چھپا اسکا باطن یا حقیقت مراد ہے۔ تو جاننا چاہیئے کہ یہاں اس سے مراد دل میں موجود اس کا باطن یا اس کی حقیقت ہے کیونکہ تمام اعضاءِ جسم کو آپ دیکھیں کہ ان کی ظاہری شکل کے پیچھے ان کی باطنی قوت پوشیدہ ہے اور وہی اس کی اصل ہے۔ جیسے آنکھ کو دیکھیں کہ اس کی ظاہری صورت میں اس پتلی کے پیچھے دیکھنے کی قوت پوشیدہ ہے جو اس کی اصل اور حقیقت ہے۔ اس

طرح کان و دیگر اعضاء اور اسی طور پر دل کو بھی قیاس کرلیں اور دل کی باطنی قوت یا حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی چیز کا ارادہ کرنا اور اشیاء کو جاننا جس کو علم کہتے ہیں اور ان کا ادراک کرنا۔ یہ دل ہی ہے جو انسان کی اصل ہے۔ یہی دل روح اور جسم کے بیچ برزخ اور واسطہ ہے۔ اسی لئے اس دل کو قلبِ سلیم کے درجہ پر لے جانا کہ جو جناب باری میں پسندیدہ قلب ہے ضروری ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اس کو رزائل سے پاک کیا جائے اور یاد الٰہی اور حسنات سے پُر کیا جائے۔ جہاں تک بات دل کی بیماریوں کی ہے تو وہ کون کون سی ہے اور ان کا علاج کیا ہے ہم آگے تفصیل سے بیان کریں گے لیکن ایک بنیادی بات جو قلب کی اصل اور علاج سے متعلق ہے اُس کو واضح کردیں کہ تزکیہ نفس یا اصلاح قلب کیلئے جو طریقہ سب سے مؤثر اور احسن ہے اُس کا علم ہوجائے اور وہ یہ ہے کسی شیخ کامل کی صحبت کا اختیار کرنا اور منازل سلوک کا طئے کرنا۔ کسی کتاب کے ذریعہ صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کے کچھ باتیں کسی موضوع کے متعلق جان کر اُس کے مطابق عمل ہوسکتا ہے جس کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جیسے کوئی طب کی کتاب پڑھ کر اپنا علاج خود کرے اور شیخ کی صحبت کی مثال طبیب یا ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی سی ہے کہ ہر حال میں طبیب یا ڈاکٹر کی خدمات سے استفادہ کتاب پڑھ کر اپنا علاج خود کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ کتاب عام حالات میں کسی مسئلہ کا حل تو بتاتی ہے لیکن راہ سلوک میں سالکین کی مزاجیں اور طبعیتیں مختلف ہوتی ہیں جن کی رہنمائی کیلئے کتاب کی ہدایت کافی نہیں ہوتیں اس کے علاوہ راہ سلوک کی صعوبتیں کسی اہل دل کی توجہ سے آسان ہوجاتی ہیں جب کہ کتاب سے یہ بات ممکن نہیں اس ضمن میں اور بھی تفصیل ہے لیکن طوالتِ مضمون سے بچنے کیلئے اتنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قلب کی اصلاح یا اس کو فساد سے پاک کرنے کیلئے مؤثر طریقہ کسی پیر کامل کی صحبت اختیار کرنا یا اس کی غلامی اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کی صحبت مثل طبیب حاذق کی ہے کہ جو مرض اور اس کی دوا اور پرہیز سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور مریضوں کے مختلف احوال کا بھی اُس کو بخوبی علم ہوتا ہے کہ مریض کی قوت برداشت اور مرض کی کیفیت کے مطابق وہ علاج تجویز کرتا ہے تا کہ مریض جلد شفایاب ہو اور اس کے دل سے امراض اور خباثتیں دور ہوں اور دل باطنی مرض سے باطنی صحت کی طرف آئے اور ایسے شخص کی تلاش کرنا اور اس کی صحبت کو اختیار کرنا واجبات دین میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سورہ توبہ۔۱۱۹) (ترجمہ: تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)

اور صحبت کی تاکید اور فضیلت میں قرآن وحدیث میں بڑی تفصیل آئی ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اور جب ایسا رہنما اور رہبر کسی کو میسر آ جائے تو اُس سے جو عہد و پیماں اطاعت میں امور سلوک سے متعلق کیا جاتا ہے اُس کو بیعت یا مریدی کہتے ہیں اور اس عمل کو علماء و اولیاء نے سنت موکدہ قرار دیا ہے جس کی تفصیل اس موضوع کی مستند کتب میں موجود ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ شیخ یا مرشد جس کو ہماری عُرف میں پیر کہتے ہیں کہ اُس کی حیثیت رہبر و رہنما اور طبیب و ڈاکٹر امراضِ باطن کی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مرید اپنے آپ کو پوری حیثیت سے اس پر اعتماد کرتے ہوئے خود کو اسکے حوالے کر دے تو پھر لازمی ٹھہرا کے اس شخص میں وہ کچھ صلاحیتیں موجود ہونی چاہیئے جو ایک پیر و رہنما میں یا طبیب امراض باطنی میں ہونی چاہیے تا کہ اس سے استفادہ کرنے والے اپنے مقصد کو حاصل کریں اور منزل مقصود کو پائیں کیونکہ دورِ حاضر میں رہزن بشکل رہبر ہیں۔ جو لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسے نا اہلوں کی صحبت

سے جو نا قابل تلافی نقصان لوگوں کو اٹھانا پڑتا ہے کہ دل بھی برباد ہوجاتا ہے اور پشیمانی اور افسوس بھی ہوتا ہے۔اس بات سے محفوظ کرنے کیلئے اولیاء کاملین نے شیخ یا مرشد کیلئے کچھ شرائط بیان فرمائے ہیں اور ایسے شخص ہی کی بیعت کو اور صحبت کو جائز قرار دیا ہے۔ہم یہاں شیخ العرب والعجم تاج الفقراء سیدنا شاہ محمد رفیع الدین فاروقی قندھاریؒ جو پیرومرشد ہیں ہمارے شیخ الشیوخ قطب الہند حافظ سیدنا میر شجاع الدین حسینیؒ قادری قبلہؒ اپنی کتاب ثمرات مکیّہ میں نقل فرماتے ہیں جو آپ نے سلوک پر تحریر فرمائی ہے اور اس کتاب میں آپ نے مرشد کے شرائط کو بیان فرمایا ہے۔

مرشدی کے شرائط خمسہ:۔مرشد میں پانچ شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ان پانچ شرائط کے بغیر اس سے بیعت کرنا جائز نہیں۔

اول یہ کہ شیخ کو کتاب وسنت کا عالم ہونا ضروری ہے۔(لیکن عِلم کا) انتہائی اور اعلیٰ درجہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کے بارے میں تفسیر مدارک یا جلالین کا مفہوم یاد ہو اور اس کی تحقیق کسی ایسے عالم سے کیا ہو جو اس کے معانی اور غریب الفاظ، اسبابِ نزول، اعراب اور قصص وغیرہ جیسے متعلقہ ضروری اُمور کا عِلم رکھتا ہو۔احادیث میں ''**المصابیح السنه**'' کی مثل کوئی کتاب جس کے معنی و مطلب کی تحقیق سند محدثین اور رائے فقہائے مجتہدین کے مطابق کی ہو۔شیخ کو حفظِ قرأت میں تکلف کی ضرورت نہیں ہے، نیز سندوں کا حال بھی معلوم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے حدیثِ منقطع اور مُرسل کو بھی قبول کیا ہے، اس لئے کہ مقصدِ اصلی اس یقین کا حاصل کرنا ہے کہ یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔اور فقہ وعقائد کے بعض فروع کا علم کافی

ہے۔ اُصولِ فقہ کا علم، کلام کی باریکیاں، فقہ کے جزئیات کی تحقیق اور فتاویٰ وغیرہ جیسے علوم غریبہ کا جاننا بھی ضروری نہیں ہے۔ شیخ کیلئے مذکورہ علوم کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ بیعت سے غرض **امر بالمعروف** اور **نہی عنِ المنکر**، رذائل کا ازالہ کرنا، پسندیدہ باتوں کا اختیار کرنا اور سکینۂ باطن کا حصول ہے۔ لہٰذا جو شخص عالم نہ ہو اس کے بارے میں ان امور کا تصور کیونکر کیا جاسکے گا؟ حالانکہ مشائخ نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ لوگوں سے وہی شخص کلام کرسکتا ہے جس نے علماء اور اتقیا کی صحبت میں ایک طویل عرصے تک رہ کر احادیث اور قرآن کو اخذ کیا ہو اور ان کے آداب سے متاؤّب ہو گیا ہو اور کتاب وسنت کے موافق حلال وحرام جانتا ہو۔

فقیر مؤلف نے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے جنہیں ظاہری علوم حاصل نہ تھے لیکن مرشدوں کی صحبت میں بکثرت رہنے اور نسبت سے واقفیت کا ملکہ رکھنے کی وجہ سے علومِ ظاہری وباطنی کی کوئی باریکی ان سے پوشیدہ نہ رہی تھی۔ یہ اللہ کا فضل ہے **ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ**۔ (سورۃ الجمعۃ) غرض **اِنَّ اللّٰہَ لَا یَتَّخِذُ وَلِیًّا جَاھِلًا** کے بموجب اہلِ دل میں سے کوئی بھی جاہل نہیں اس کا علم یا تو کسبی ہوگا یا وہبی۔ تاہم ؎

چو شمع از پئے علم باید گداخت که بے علم نتواں خدارا شناخت

(علم حاصل کرنے کیلئے شمع کی طرح پگھل جانا چاہئے کیونکہ بغیر علم کے خدا کو نہیں پہچانا جاسکتا)

جاننا چاہئے کہ باطنی علم ظاہری علم سے نکلا ہے۔ گویا علمِ ظاہر بمنزلہ درخت ہے اور علمِ باطن بمنزلہ ثمر۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ؎

علم باطن ہمچو مسکہ علم ظاہر ہمچو شیر کے شود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

علمِ باطن مثلِ مسکہ علمِ ظاہر مثلِ دودھ دودھ بن مسکہ بنے کیا؟ پیر بن کیونکر ہو پیر؟

دوسری شرط: عدالت اور تقویٰ ہے۔ شیخ کو عادل اور متقی ہونا چاہیئے ۔ پس واجب ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنے والا ہو۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ شیخ زاہد یعنی دنیا طلبی نہ ہو اور آخرت کی رغبت رکھنے والا ہو۔ مؤکدہ اطاعتوں کا اور صحیح احادیث میں مذکور اذکارِ ماثورہ کا پابند ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہمیشہ دلی تعلق رکھتا ہو، اور نسبتِ یادداشت (جو حق سبحانہ سے دوامِ آگاہی بر سبیل ذوق بہ بے کیفی محض) اس کا ملکۂ راسخہ بن گئی ہو۔

چوتھی شرط: یہ ہے کہ شیخ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو، کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس دین کے فضائل میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

[۵] كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۳:۱۱۰)

پانچویں شرط: یہ ہے کہ عرصۂ طویل تک بڑے مشائخ کی صحبت میں رہا ہو اور ان کے آداب سے متادب ہو گیا ہو۔ نورِ باطن، سکینۂ قلب اور ترتیبِ سلوک کے علاوہ "طریقت" کا اجازت یافتہ ہو۔ سنتِ الٰہی اس طور پر جاری ہے کہ آدمی اس وقت تک آزاد نہیں ہوتا جب تک کہ آزاد لوگوں کو نہ دیکھے۔ اسی طرح آدمی علماء کی صحبت میں رہے بغیر عالم نہیں ہوتا، اور اسی پر منحصر نہیں بلکہ تمام صنعتوں کا یہی حال ہے۔ (ثمرات مکیہ)

دور حاضر میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ یا تو لوگوں میں کسی شیخ سے تعلق قائم کرنے کا شعور و شوق ہی نہیں ہے اور اس کے بہت سارے اسباب ہیں جس کی تفصیل موضوع

سے متعلق نہیں ہے۔ یا اگر شعور ہے تو لوگ ساری عمر ایک ایسے مرشد کی تلاش میں صَرف کرتے ہیں جو صاحب خرق وعادات وکرامات ہو یا بے مثل اور نرالہ ہو اور اسی تلاش وجستجو میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں یا بعض لوگ کسی ایسے شخص سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کر لیتے ہیں جس میں تربیت واصلاحِ مرید کی صلاحیت تو دور خود شرع شریف سے کوسوں دور نری گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے او پر رسالہ ثمرات مکیّہ سے نقل کردہ شرائط اگر کسی شیخ میں پائے جائیں تو ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنے میں تاخیر ہرگز مناسب نہیں اور کاملین کے نزدیک اصل کمال کشف و کرامات نہیں بلکہ تعلق باللہ، عشقِ رسول ؐ، اتباعِ رسول ؐ اور استقامت فی الدین ہے اور ایک رہبر ورہنما کے انتخاب کیلئے بھی انہیں باتوں کو معیار بنانا چاہیۓ۔

__واقعہ:__ ایک ولی اللہ تھے جن کے بڑے چرچے تھے اور ان کی کرامتیں بھی بڑی مشہور تھیں۔ ایک شخص نے جب اُن کے متعلق لوگوں سے سنا تو ارادہ کیا کہ جا کر اللہ کے اس ولی سے ملاقات کرے اور یہ بھی عہد کیا کہ خود اپنی آنکھوں سے کوئی کرامت اُس بزرگ کی دیکھے گا تو ان کا مرید ہو جائے گا۔ اس مقصد سے حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہو کر کئی دن قیام کرنے کے باوجود ایک بھی کرامت اُس کو حضرت سے سرزد ہوتے ہوئے نظر نہ آئی تو وہ شخص رنجیدہ ہو کر اپنے مقصد کے بر نہ آنے کا افسوس کرتے ہوئے واپس جانے لگا وہ بزرگ روشن ضمیر تھے اُس شخص کے دل کے حال سے واقف ہو کر اُس کو اپنے پاس بلا کر پوچھا تو اُس نے سچ سچ سارا مدعا بیان کر دیا کہ وہ اس نیت سے آیا تھا کہ کوئی خرق عادت کرامت حضرت سے صادر ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا تو حضرت کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گا لیکن کوئی کرامت اُس کو نظر نہ آئی تو وہ واپس جا رہا ہے۔ اُس شخص کی یہ بات سن کر حضرت نے اس شخص سے

سوال فرمایا کہ تم یہاں جتنے دن رہے تم نے کیا کوئی فرض یا سنن یا مستحب عمل کو مجھ سے ترک ہوتا دیکھا ہے؟ تو اُس نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا کیا کوئی خلاف سنت عمل مجھ سے سرزد ہوتے دیکھا؟ تو کہا نہیں، اُس پر فرمایا صاحبزادے اس سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت ہوسکتی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص بڑا متاثر ہوا اور حضرت کا مرید ہوکر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا اور فیضیاب ہوا۔

یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ ایسے شخص سے اپنی ارادت کا تعلق قائم کر لیتے ہیں جو تصوف کی چند اصطلاحات کو رٹ کر اُس کی غلط تاویلات بیان کر کے اپنے معتقدین کو بے عملی کی طرف لے جاتا ہے اور شرع شریف کو اور طریقت کو دو علیحدہ راہیں متصور کرواتا ہے اور نعوذ باللہ شرع شریف کی تحقیر کرتا ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کو بے وجہ سر پھوڑی کرنے والوں سے تعبیر کرتا ہے۔ ہمارے اس دور میں بعض ایسے بد بخت لوگ بھی ہیں جو اس طرح کی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور علوم ظاہری کو غیر اہم اور علم باطن کو علیحدہ اور حقیقی علم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور علماء کی تحقیر اور لوگوں میں ان کے متعلق بدگمانیاں کرنے کے درپہ رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز رہنما اور مصلح نہیں ہوسکتے اور اولیاء اللہ کی تعلیمات سے انکا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے بچنا مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان سے تعلق گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور دین کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

اب ہم اُن بُری صفات کے متعلق بیان کریں گے جو قلب کیلئے مثل بیماریوں کے ہے۔ جن کا قلب سے دفع کرنا قلب کے علاج اور اس کی پاکی کیلئے بے حد ضروری ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے دفع کرنے کا طریقہ (اور دوا) جو شرع شریف میں منقول ہے اُس کو بھی ذکر کریں گے۔

حُبِّ دنیا (دنیا سے محبت)

قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اُس نے اپنے برگزیدہ وآخری رسول حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے۔اور رسول پاکؐ کے اقوال وافعال وتقریر پر حدیث شریف کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ دونوں یعنی قرآن پاک اور حدیث شریف سرچشمۂ ہدایت ہیں اور انہیں دونوں نورانی چشموں کی تعلیمات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالَم تین ہیں۔ایک عالَمِ دنیا، دوسرا عالَمِ برزخ اور تیسرا عالَمِ آخرت اوران تینوں عوالم کی حقیقت اور حیثیت کو بھی قرآن پاک اور حدیث شریف میں واضح کردیا گیا۔کئی مقامات پر کھلے انداز میں تو کہیں مثالوں کے ذریعہ اور کتاب اللہ وحدیث شریف میں دنیا کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ فنا ہونے والی ہے اُس میں موجود ہر شئے کو موت اور فنا کی منزل سے گزرنا ہے۔ برزخ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا سے لطیف عالم ہے اور انسانوں کی ارواح موت کے بعد اور آخرت کے ظاہر ہونے سے پہلے اسی عالم میں رہتی ہیں اور عالم آخرت غیر فانی اور دنیا کی ناپائیدار زندگی کے مقابلہ پائیدار ہے اور دنیا کی زندگی سے بہتر ہے اسی لئے بار بار بیان کیا گیا ہے کہ جو عقلمند انسان ہوگا ان کی حقیقتوں سے واقف ہوجانے کے بعد ناپائیدار کے مقابلہ میں پائیدار اور کمتر کے مقابلہ میں بہتر اور فانی کے مقابلہ میں باقی کی طلب وتمنا کریگا اور آخرت کی بہتری کے حصول کے طریقہ جو اس کے خالق و مالک نے بتائے ہیں اس کے ذریعہ سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کریگا اور ناپائیدار، کمتر اور فانی کی محبت میں کھپ کر پائیدار، بہتر اور باقی کو نہ گنوائیگا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کی حقیقت کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد

فرمارہے ہیں۔

وَمَاالْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآاِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران آیت۱۸۵)

(ترجمہ : اور دنیا کی زندگی نہیں ہے مگر دھوکے کا سامان۔)

یعنی جو آرائش وزیبائشِ دنیا ہے یا مال ومتاع اور بیوی بچوں کی محبت ہے یہ سب سامان فریب ہیں۔ جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا وہ خوش نصیب ہے اور جو ان کے دھوکہ میں پڑکر آخرت کو برباد کیا وہ دائمی ناکامی اور نامرادی میں ہے۔ کیوں کہ اُس نے ناپائیدار کے دھوکے میں پھنس کر آخرت جو پائیدار ہے اُس کو برباد کیا اور جو دنیا کے مال واسباب کی کثرت پاکر یہ سمجھا کہ وہ تو بڑا کامیاب ہوا جب کہ اُس کے حاصل کرنے میں اُس نے حرام وحلال صحیح وغلط اچھے اور بُرے سچ وجھوٹ کا کچھ خیال نہ کیا تو ایسے خوش ہونے والوں کیلئے فرمایا:

و فَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَاط وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ (سورۃ الرعد۲۶)

(ترجمہ: یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہوگئے حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں نہایت [حقیر] پونجی ہے) کہ فانی چیز کی کثرت پر خوش ہوتے ہیں جبکہ انہوں نے ہمیشہ رہنے والی پر اس کو ترجیح دی جبکہ دنیا کی تمام چیزیں آخرت کے مقابلہ میں حقیر اور ادنیٰ ہیں۔

اور ایک مقام پر دنیا کی زندگی کی حقیقت کو بیان فرمایا

[۷]وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّ لَعِبٌ ط وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ م لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ○ (العنکبوت آیت۶۴)

(ترجمہ: اور دنیا کی زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے البتہ آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے کاش! یہ جانتے ہوتے)۔

اگر کسی نے آخرت کو برباد کر کے دنیاوی زندگی کو بہتر بنایا تو اُس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کھیلنے کودنے والے جب کھیل ختم کرتے ہیں تو آخر میں سوائے محنت اور کچھ دیر کی وقت گزاری کے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ کافروں کو دیکھو کہ ساری عمر محنت کر کے اپنی دنیا تو بنا لیتے ہیں لیکن جب مرتے ہیں تو آخرت کیلئے اُن کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں مختلف مثالوں سے دنیا کی زندگی کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے لیکن ہم یہاں صرف ایک آیت پاک جس میں دنیا کی زندگی کی حقیقت کو ایک بہترین مثال سے واضح کیا گیا ہے نقل کرتے ہیں۔

[۸]اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ و تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَاالْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرُO (الحدید۔۲۰)

(ترجمہ: خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپکو زیادہ بتلانا جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں تم اسی کو دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں)۔

اس آیت پاک میں کتنی خوبی کے ساتھ دنیا کی زندگی کی ناپائیداری کو کتنی اچھی مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ غور کیجئے کہ بات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا اِعْلَمُوْا (اچھی

طرح جان لو) کہ دنیا کی وہ زندگی جو آخرت کو سنوارنے وہاں کی تیاری کرنے یا آخرت کو کامیاب بنانے میں صَرف نہ کی جائے وہ ایسی ہے جیسے کھیل تماشا زینت کہ اس سے سوائے تھوڑی دل بہلائی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا یا تھوڑی عارضی خوشی حاصل ہوجاتی ہے یا مال و اولاد جس سے انسان دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان دونوں میں سے ساتھ لے کر کچھ نہیں جاتا کہ سب یہیں دھرے رہ جاتے ہیں اور یہ تمام چیزیں ایسے ناپائیدار ہیں جیسے کہ کھیتی کہ جب بارش کے برسنے سے لہلہلاتی ہے تو اپنے بام عروج پر ہوتی ہے کہ اس کا مالک (کسان) اس سے بڑا مسرور ہوتا ہے اور فخر کرتا ہے اپنی پیداوار پر جیسے ایک شخص جس نے بہت ساری دنیا جما کر رکھی ہو اور اُس پر وہ خوش ہوتا ہو اور فخر کرتا ہو پھر اُسی لہلہاتی کھیتی پر وقت کے گزرنے کے ساتھ تغیرات آتے ہیں اور زوال پذیر ہوتی ہے اور پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ ساری کھیتی سوکھ سکھا کر چورا چورا ہوجاتی ہے۔ لہلہاتا کھیت خشک میدان میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُس شخص پر بھی جس نے مال و دولت دنیا جما رکھی تھی اور اس پر مسرور تھا اور فخر کیا کرتا تھا جب بڑھاپا اور پھر اُس کے بعد موت آتی ہے تو اُس کے حق میں دنیا کی لہلہاتی کھیتی خشک میدان میں تبدیل ہوچکی ہوتی ہے۔

پیارے نبیؐ نے اپنے اقوال اور اپنے عمل سے دنیا کی زندگی کے ساتھ کس طرح کا معاملہ ایک ایمان والے کو روا رکھنا چاہیئے تعلیم فرمادیا قربان جائیں پیارے نبیؐ کے طریقہ تعلیم پر کہ کس طرح حسب موقع اور مناسبت آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو تعلیم و ہدایت فرمایا کرتے تھے ایک موقع پر آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں ایک مُردہ بکری پڑی تھی آپ ﷺ نے صحابہؓ سے جو اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے سوال کیا کہ یہ مُردہ بکری جو تم دیکھ رہے ہو

اس کے مالک کے نزدیک کیا پسندیدہ ہے؟ صحابہؓ نے جواباً عرض کیا ہرگز نہیں کہ اس کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے تو اسکو یہاں پھینک دیا گیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، دنیا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مُردہ بکری سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ تو پھر یہ فانی دنیا کیسے کسی ایمان والے کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہوسکتی ہے! جبکہ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ اُس کے نزدیک محبوب ہوں اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کے نزدیک جو چیز ناپسندیدہ ہو وہ محبّ کو بھی پسند نہ آئے۔ اسی لئے اہل اللہ کے پاس دنیا ناپسندیدہ ہے کہ اس کی محبت اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے اور جو اُس کی محبت میں فنا ہوتے ہیں وہ اُن کو اپنے فریب میں ایسا مبتلا کرتی ہے کہ آخرت کی بھلائی اور حق کے قرب سے رکاوٹ بن جاتی ہے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ دنیا مطلقاً بری ہے بلکہ دنیا سے ایسا تعلق جو آخرت کی خرابی کا باعث بنے یا اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنے وہ برا ہے، ورنہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی اسی دنیا میں ہمارے لئے آخرت کی بھلائی اور رضا حق کا سارا سامان بھی موجود ہے۔ دنیا کو اس معنوں میں بُرا کہا گیا ہے کہ اس کی ایسی محبت یا ایسا تعلق ولگاؤ جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے یا یادِ حق سے دور کردے یا دنیا کو سنوارنے کی فکر میں حق تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا کردے یہ بُرا ہے۔ یا دنیا کو حاصل کرنے کی مشغولیت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی عبادت میں رکاوٹ ڈال دے یہ بُرا ہے۔ یعنی دنیا نہیں بلکہ دنیا کی محبت یا دنیا میں ایسا مشغول ہوجانا کہ آخرت کو اور اپنے معبود کو بھول جائے یہ بُرا ہے۔ ارشاد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ''دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے''۔ (کیمائے سعادت) یعنی یہ

ایک ایسی بیماری ہے کہ کسی کو لگ جائے تو دوسری ساری بیماریاں خود بہ خود اس کے اثر سے پیدا ہوجاتی ہیں۔ جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے یا اُس کا عاشق ہوجاتا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ آخرت کو بھول جاتا ہے اور وہاں کی تیاری سے بے پروایا غافل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی محبت بیک وقت کسی بھی دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔ جب دنیا کی محبت غالب ہوگئی تو آخرت کی محبت ضرور کمزور ہوگئی۔ اور آخرت کی محبت کا غلبہ دنیا کی محبت کو کمزور کرتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''دنیا اور آخرت دو سوتنوں کی طرح ہیں کہ تم ایک کو راضی کروگے تو دوسری ناراض ہوگی'' اور سمجھداری آخرت کو سنوارنے میں ہے کہ وہ پائیدار اور دنیا سے ہر حال میں بہتر ہے۔ (مکاشفۃ القلوب)

دنیا کے اُمور کی جہاں تک انجام دہی یا اس میں مشغول ہونے کا معاملہ ہے تو اسکے لئے پیارے نبی ﷺ نے صاف طور پر حکم فرمایا ہے کہ ''دین اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے'' اور خود آپ ﷺ کی حیات پاک ہمارے لئے اس بارے میں رہنمائی کیلئے بہترین نمونہ کے طور پر موجود ہے کہ رب تعالیٰ سے جو قرب آپ ﷺ کو حاصل ایسا نہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کو حاصل ہوا تھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ازدواجی تعلق قائم فرمایا، تجارت فرمائی، معاملات فرمائے، جہاد کی، آپ ﷺ کی اولاد بھی تھی، صحابہؓ کی مجلسوں میں آپ ﷺ شرکت فرماتے، لوگوں کے بیچ صلح صفائی فرماتے، لین دین فرماتے جو سارے دنیوی اُمور ہیں۔ ان تمام باتوں سے ہم کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ بندہ اگر اپنے دنیاوی اُمور کو اپنے رب اور اس کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی روشنی میں انجام دے اور ان تمام کاموں کی انجام دہی میں وہ اپنے رب کی یاد سے اور عبادت

سے غافل نہ ہوتو اُس کے یہ سارے اعمال اپنے آ قاﷺ کی سنت کی اتباع کی وجہ سے نہ صرف نیکی شمار ہونگے بلکہ عبادت میں شامل کر لیئے جائیں گے۔ البتہ ان دنیوی امور میں مشغولیت اگر بندے کو یادِ خدا سے غافل کرتی ہے تو اس سے رب تعالیٰ نے ایمان والے بندوں کو منع فرمایا ہے اور ایسے عمل کو ناپسند فرمایا ہے۔

[۹] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (سورہ المنافقون۔۹)

(ترجمہ: اے ایمان والو تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو ایسا کرے تو وہ لوگ سخت نقصان میں ہیں)۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے کاروبار میں بہت زیادہ مشغولیت ضرور انسان کو غفلت میں مبتلا کرتی ہے اس لئے دنیا کیلیئے انسان اتنا ہی کرے جتنا اس کے لیے ضروری ہے دنیا کی بیجا حرص انسان کیلیئے آفتیں اور مصیبتیں لیکرآتی ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بارش میں اگر ہم چھتری لے کر جائیں تا کہ بھیگیں نہیں تب بھی کچھ چھینٹیں تو ضرور ہم پر آ ہی جاتی ہیں۔ دنیا کی محبت کی مذمت میں پیارے نبیؐ کے بہت سارے اِرشادات ہیں جن پر غور کرنے سے دنیا کی محبت کے نقصان کا ہم کو اندازہ ہوسکتا ہے ان میں سے کچھ ہم یہاں نقل کرتے ہیں تا کہ پڑھنے والے حُبِّ دنیا کے فتنے سے اپنے آپ کو بچائیں۔

فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

مال (دنیا) کی محبت دل میں نفاق کو پیدا کرتی ہے۔ جیسے پانی سبزے کو پیدا کرتا ہے۔

اور فرمایا: دو بھیڑیے کسی ریوڑ کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا مال (دنیا) کی محبت

ایمان کونقصان پہنچاتی ہے۔

ان ارشادات عالیہ سے ثابت ہوا کہ مال (دنیا) کی محبت نہایت ہی مذموم شئے ہے کہ اس کا راست نقصان ایمان کو پہنچتا ہے کہ نفاق کے پیدا ہونے اور ایمان کے خراب ہونے کا یہ سبب ہے کہ ایمان میں کمزوری یا خرابی پیدا ہوتو پھر انسان کا نیک عمل چاہے وہ کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہواس کوفائدہ نہیں دیتا۔

یہ ساری باتیں جواب تک بیان کی گئیں قرآن وحدیث کی روشنی میں تھیں جو دنیا کی حقیقت اوراس کی محبت کی مذمت میں تھیں اور ایک ایمان والے کیلئے ان باتوں کے بعد کسی اور دلیل یا ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر بھی مزید اطمینانِ قلبی کیلئے ہم کچھ اور باتیں جو عقل سے بھی سمجھ میں آتی ہیں اسی عنوان سے متعلق یہاں تحریر کرتے ہیں۔

دنیا سے جومحبت کرتے ہیں اوراس کے بڑے وفادار ہوتے ہیں اوراس کے حصول میں ایسے کوشاں ہوتے ہیں کہ آخرت کو برباد کرڈالتے ہیں۔کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ جس کے عاشق بنے بیٹھے ہیں وہ ان کو کیسے دھوکہ دیتی ہے اور کس طرح آہستہ آہستہ ان سے دور ہوجاتی ہے جس کا احساس تک ان کو نہیں ہوتا یہاں تک کہ موت کے ذریعہ سے ان سے بالکل جدائی اختیار کرلیتی ہے اور ایسی بے وفا اور دھوکہ باز سے وہ ہیں کہ محبت کرتے ہیں اور یہ کتنی بڑی نادانی ہے۔اور کیا کسی بھی دنیا کے عاشق کو دنیا نے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ہے؟ دنیا کا جادو کچھ ایسا ہے کہ جس پر بھی چلتا ہے تو اس کو اپنا اسیر بنالیتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے دنیا کا جادو ہاروت اور ماروت (دوفرشتے) سے بھی بڑھکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر اس کا جادو اثر نہیں کرتا اور وہ اس کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اوراس کو لونڈی یا خادمہ کی طرح استعمال

کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے عاشقوں کوتو دھوکہ دیتی ہے لیکن خدا اور رسولؐ کے عاشقوں کا کچھ نہیں بگاڑسکتی اور نہ اللہ کے شیروں پراس لومڑی کی کوئی چال کامیاب ہوسکتی ہے کیوں کہ ان اللہ والوں نے ان تدبیروں کو جوسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مکروفریب اور جادو سے بچنے کیلئے تجویز فرمائی ہیں اختیار کیا ہے۔اب ہم دنیا سے محبت کے مرض کے علاج کے عنوان کے تحت وہی تدابیر بیان کرینگے۔

علاج: دنیا کی ایسی محبت جوآخرت سے غافل بنادے اُس کے نقصانات اوراس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کی تفصیل گزری جس سے عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص ضرور عبرت حاصل کرے گا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیا کے فریب سے اوراس کی محبت سے بچنا آسان نہیں ہے بڑاہی دشوار کام ہے مگراس دشواری کوبھی ہمارے آقا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کرم سے آسان فرمادیا اور دنیا کی محبت کے موذی مرض سے بچنے کی تدبیر یہ ارشادفرمائی کہ اَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَادِمِ اللَّذَّاتِ (ترجمہ:لذتوں کومٹانے والی کوکثرت سے یادکرو) صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لذتوں کومٹانے والی کیا ہےتوارشاد فرمایا''موت''۔

موت کواکثر یادکرنا ہرانسان کیلئے ضروری ہے کہ اس کی یادآخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کرتی ہے اورموت کی یاد سے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ جوشخص موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے مابعد موت کیلئے تیاری کرتا ہےتو وہ آخرت کے سنوارنے والے اعمال کواختیار کرتا ہے۔ کیونکہ موت حیات دنیوی سے انقطاع کا نام ہے اورموت کا تصور انسان کے عیش کومٹانے والا ہے۔موت ہرانسان کے ساتھ سایہ کی طرح لگی رہتی ہے اور

انسان اگر غور کرے تو یہ حقیقت اس کے سمجھ میں آ جائیگی کہ اُسکی ہر سانس جو آ جا رہی ہے تو آتے ہوئے زندگی کی اور جاتے ہوئے موت کا پیغام اس کو دے رہی ہے۔

موت کو کثرت سے یاد کرنے کی جو تاکید حدیث پاک میں آئی ہے اس سے مراد کیا ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ انسان دنیا کی زندگانی کی لذتوں میں پھنس کر آخرت کو اور موت کے معاملات کو بھلا بیٹھا ہے وہ اگر موت کو یاد کرے گا تو غفلت کے پردے چاک ہو جائیں گے جو اس کی عقل پر پڑے ہیں۔لیکن یاد صرف زبانی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے کی جائے۔ موت کا زبانی وظیفہ نہیں بلکہ موت کی حقیقت اور اس کے واقع ہونے پر عمل اور کسب کرنے کے موقع سے انسان کے محروم و مجبور ہونے کو غور کیا جائے اور جو وقت بھی ملے اس کو غنیمت تصور کیا جائے۔ یہ مراد اور مقصود ہے موت کو کثرت سے یاد کرنے سے۔موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ہر ایک جاندار کو اس سے ضرور سامنا پڑتا ہے کیونکہ اُن کے پیدا فرمانے والے نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران۔۱۸۵) (ترجمہ: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور کسی کو اس سے مفر نہیں ہے۔اور اس اٹل حقیقت (موت) کے وارد ہونے کے وقت سے بھی ہم کو واقفیت نہیں اور نہ اس بات کی جانکاری ہے کہ کس خطہ زمین پر وقت اجل مقرر ہے۔ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مبِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط (سورہ لقمان ۳۴)(ترجمہ: اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کس زمین میں مرے گا) لیکن موت کے متعلق یہ تو ضرور معلوم ہے کہ وہ اٹل ہے اور ضرور آئیگی۔اب کہاں آئے گی گھر پر یا باہر' مسجد میں یا بازار میں کس وقت آئے گی جوانی میں یا بڑھاپے میں اپنی آرزوؤں کے پورا ہونے کے بعد یا اُس سے پہلے یہ کوئی نہیں جانتا۔اس لئے فرمایا کہ کثرت سے اس کو یاد کرو اور اس کے وارد ہونے سے پہلے اس کے بعد کی تیاری میں لگے

رہو کیونکہ موت سے بندہ غافل بھی رہے تو اس کے شکنجے سے نہیں بچ سکتا یا اس سے نظر بچانے سے اس سے اسکا سامنا نہ ہوگا ایسا بھی نہیں ہے تو پھر عقلمندی اور سمجھداری اسی میں ہے کہ کسی بھی وقت اس کی آمد کے پیش نظر اس کے بعد کے مراحل کیلئے ہر وقت انسان تیاری میں مصروف رہے۔

اللہ کے محبوب بندوں کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ موت کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہتے اور موت کو یاد کرنے کا بڑا اہتمام فرماتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں مشہور ہے آپ کی یہ عادت تھی کہ ہر شب علماء کو جمع فرماتے اور وہ لوگ موت کے احوال بیان فرماتے تو تمام لوگ اس قدر روتے جیسے اہل ماتم روتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ اپنی مجلس میں صرف موت اور آخرت ہی کی بات فرمایا کرتے۔ موت کی یاد انسان میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے جس کو زہد کہتے ہیں اور زاہدین کی علامت یہ ہے کہ وہ موت کو یاد رکھتے ہیں اور قلیل متاع دُنیا پر گزر بسر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ کسی زاہد کا ذکر اور اس کی تعریف بیان کی گئی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا اُس شخص کی مجلس میں موت کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اُس پر صحابہؓ نے نفی میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر وہ ویسا نہیں ہے جیسا تم لوگ سمجھتے ہو۔ یعنی حقیقی زاہد نہیں ہے کیونکہ موت کو یاد کرنا زاہدین کی علامت ہے۔

موت کا تذکرہ سن کر لوگوں کو مرتا ہوا دیکھ کر مرنے والوں کے جنازے میں شریک ہو کر ان کو کاندھا و مٹی دے کر بھی اگر کوئی انسان اپنی موت سے غافل رہے اور ان تمام باتوں سے وہ عبرت حاصل نہ کرے تو پھر یہ بڑی سخت دلی اور بے حسی کی علامت ہے لیکن افسوس کہ

ایسے ہی کچھ دور سے ہم گزر رہے ہیں کہ اس دور میں لوگ موت کا ذکر سنتے ہیں جنازوں میں شریک ہوتے ہیں مُردوں کو قبروں میں اُتارتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود اپنی موت سے غافل ہیں جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''کَفٰی بِالْمُوْتِ وَاعِظاً'' (ترجمہ: موت بہترین واعظ ہے) اب جو شخص موت سے اتنا قریب ہو کر بھی عبرت نہ حاصل کرے تو پھر اور کونسی چیز ہوگی جو غفلت کے پردوں کو اُس سے اٹھائیگی۔ جبکہ موت کی یاد دلوں کو نرم کرنے اور اس سے سختی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہو کر اپنی سخت دلی کی شکایت کرنے لگی تو آپؓ نے دل کی سختی کے دور ہونے اور نرمی کے پیدا ہونے کیلئے اس عورت کو نصیحت فرمائی کے وہ موت کو کثرت سے یاد کرے اور جب اُس نے اس حکم پر عمل کیا تو اُس کے دل کی سختی نرمی سے بدل گئی۔

دنیا کی محبت سے بے رغبتی کیلئے مریضوں کی عیادت کرنا ہے۔ مریض کی عیادت کی تاکید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ اس سے دل میں نرمی ورقت پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں کے جنازوں میں شریک ہونا چاہئے اور قبور کی زیارت کرنی چاہئے کہ اس کی بھی حدیث شریف میں تاکید آئی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام قبرستانوں کی زیارت سے دنیا سے بے رغبتی اور موت کی یاد کو مقصود قرار دیا ہے۔ اور زیارت قبر کے وقت جس دعا کے پڑھنے کا حکم ہے وہ بھی اسی مقصود کو پیش کرتی ہے لہذا عام قبور کی زیارت کو جائیں تو ضرور یہ تصور کریں کہ کل ہمارا بھی یہیں ٹھکانہ بننے والا ہے اور ہم بھی دنیا کے آرام و آسائش کو چھوڑ کر اس تنگ و تاریک گھر میں آنے والے ہیں جہاں نہ نرم بستر ہوگا نہ ٹھنڈی ہوا ہوگی۔ اگر دنیا کی

زندگانی میں ہم نے خدا اور رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی ہوگی تو یہ گڑھا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا ورنہ یہ کیڑے مکوڑوں کا گھر اور وحشت کا مکان ہوگا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہم کس کا انتخاب کرتے ہیں جنت کے باغ کا یا جہنم کے گڑھے کا۔اور اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کو اپنا معمول بنائیں کہ اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت دل میں نرمی ونور پیدا کرتی ہے۔

غفلت کو دور کرنے اور آخرت کی یاد کو دل میں پیدا کرنے کیلئے ایک طریقہ بھی پُر تاثیر ہے کہ ایسے علماء یا واعظین کی صحبت اختیار کی جائے جو موت کی یاد دلاتے رہتے ہیں اور جن کی صحبت سے آخرت کی تیاری میں مدد ملتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی بڑھتی ہے۔اس کے علاوہ قلیل متاع دنیا پر گذر بسر کا طبیعت کو عادی بنانا۔ کیونکہ ایمان والوں کیلئے حقیقی عیش تو آخرت میں ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاکزہ حیاتِ پاک کے ذریعہ یہی اُسوہ حسنہ ہم کو بخشا ہے۔

واقعہ: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کے حجرہ میں داخل ہوئے، اُس وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور آپکا بستر ایک بوریہ تھا جس سے آپ ﷺ کے پاکیزہ جسم پر نشان پڑ گئے تھے اور آپ ﷺ کا تکیہ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا اور آپ ﷺ کے حجرہ پاک میں ایک پانی کی چھاگل اور ایک کونے میں چند مٹھی جو کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑے ان کے رونے کی آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگ اُٹھے اور رونے کی وجہ دریافت فرمانے پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) قیصر و کسریٰ (بادشاہان دنیا) دنیا کی بہاریں لُوٹ رہے ہیں اور اللہ کا رسول اس حال میں۔ یہ سن کر

آ قاﷺ نے فرمایا! اے عمر غم نہ کروان کو دنیا کی بہاریں لوٹنے دو ہم آخرت کی بہاریں لوٹیں گے۔

دوستو! غور کرو کہ کیسی پاکیزہ زندگی تھی ہمارے آ قاﷺ کی اور دنیا سے بے رغبتی و بے نیازی کا کیا عالم تھا اور ہمارے لئے کتنا عظیم نمونہ ہیں ہمارے آ قا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہ دنیا سے کیسا تعلق ہم کو رکھنا چاہئے اور ہمیشہ کے گھر یعنی آخرت ہی حقیقت میں مومن کا منتہی نگاہ ہوتا ہے۔

حرص وطمع (لالچ)

حرص وطمع کے معنی لالچ کے ہیں اور کسی شئے کا کثرت سے طلب کرنا حرص کہلاتا ہے اور یہ لفظ زیادہ تر شدید دنیا طلبی یا مال ومطاع کی زیادہ طلب کرنے پر بولا جاتا ہے اور حرص دل کی بیماریوں میں سے ایک مہلک بیماری ہے اور یہ بدترین صفت ہے اور اس بیماری کے دل میں پیدا ہونے کا اصل سبب دنیا سے محبت ہے کہ جب دنیا کی محبت کا دل میں غلبہ ہوتا ہے تو اُس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی طلب خود بہ خود دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور حرص جس دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے تو وہاں بہت ساری بری صفات جنم لیتی ہیں۔ جیسے بغض، حسد، کینہ وغیرہ۔ حریص انسان کا دل جب ایک چیز کو حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس پر راضی نہیں ہوتا اور زیادہ کی طلب اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔اور حرص کی اس کیفیت کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد مقدس میں یوں بیان فرمایا ہے۔"اگر انسان کے پاس دو سونے کی وادیاں ہوں تو وہ تیسرے کی تمنا کرے گا"۔حریص انسان کے دل سے اطمینان رخصت ہو جاتا ہے اور اس بری صفت میں مبتلا شخص کا حال اُس مریض کی طرح ہوتا ہے جس کو سیر ہو کر کھانے اور پینے کے بعد بھی بھوک اور پیاس برابر محسوس ہوتی رہتی ہے۔بس حرص میں مبتلا شخص بھی ایک چیز جس کی اس کو طلب ہوتی ہے حاصل کر لیتا ہے تو اُس پر وہ قانع یا مطمئن نہیں ہوتا دوسری چیز کے حاصل کرنے کی بھوک اُس کو بے چین کرتی ہے اور اُس کے حاصل کر لینے کے بعد تیسری چیز اس طرح وہ ساری عمر بے چینی اور بے اطمینانی میں گزار دیتا ہے اور اُس کو قرار نصیب نہیں ہوتا۔حرص کے دل میں پیدا ہونے سے حریص کے دل سے شکر گزاری رخصت ہو جاتی ہے اور اپنے رب کی بڑی سے بڑی نعمت پر بھی اُس کو خوشی نصیب نہیں ہوتی

کیونکہ مزید کی تمنا اور حرص اس نعمت کو جو اُس کو حاصل ہوئی ہے اُس کی نظر میں کمتر محسوس ہوتی ہے۔ حرص مطلق بری چیز نہیں ہے بلکہ اچھی چیز کی حرص اچھی اور بُری چیز کی حرص بُری ہے۔ اُخروی نعمتوں کی حرص بندہ کو اِن کے حصول کی طرف اُبھارتی ہے اور رب تعالیٰ نے بھی ان نعمتوں کے حاصل کرنے کی ترغیب اپنے مقدس کلام میں دلائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

[۱۲] سَابِقُوآ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لا أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط (سورہ حدید آیت ۲۱)

(ترجمہ: سبقت لیجاؤ اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے جو بنائی گئی ہے اللہ اور رسولوں پر ایمان لانے والوں کیلئے)۔

اسی طرح کے خیر کے امور میں بھی سبقت کی تاکید فرمائی

فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَات. (المائدہ آیت ۴۸) (خیر کے کاموں میں سبقت لیجاؤ)

اور علوم دین کے حاصل کرنے کی حرص کرنا دین میں پسندیدہ بات ہے یا مسلمانوں کیلئے خیر خواہی میں حریص ہونا کہ یہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرمایا ہے۔

[۱۳] لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ ۱۲۸)

(ترجمہ: تحقیق یہ کہ آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے تمہارا مشقت میں پڑنا ان کیلئے بار گراں ہے تمہارے لئے حرص فرمانے والے اور مومنوں پر مہربان اور رحم فرمانے والے)۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حریص فرمایا کہ وہ مومنوں کے حق میں

خیراور بھلائی کی طلب میں حرص کی حد تک آگے بڑھے ہوئے ہیں۔قربان جاؤ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی امت سے ان کو کیسی محبت ہے کہ امت کے واسطے خیراور بھلائی کے حصول میں حریص ہیں۔ اب امت کا ایسے رسول کے بارے کیا یہ فرض نہیں بنتا کے وہ ایسے آقا سے جو امتیوں کے خود ان سے بھی زیادہ ان کی بھلائی کے طلبگار رہیں اُن کے حکم کی تعمیل کریں اور اپنی مرضی کو آپ کے حکم کے آگے قربان کردیں۔

دنیا میں ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ جو لوگ حرص وطمع میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اپنی حرص کی تکمیل کیلئے کیسے بے ایمانی اور دھوکے بازی کے طریقوں اور راستوں کو اختیار کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کا کیا انجام ہوتا ہے کہ اس بے ایمانی کی وجہ سے جو اپنی حرص کی تکمیل کیلئے انہوں نے کی۔اسکی سزائیں ان کو بھگتنی پڑتی ہیں اور بدنامی سوالگ۔اور اگر کوئی بدنامی اور بے ایمانی کی سزا سے اس دنیا میں رشوت اور سفارش سے بچ بھی جائے تو ایسا شخص جب بروز محشر اپنے رب کے دربار میں پیش ہوگا تو وہاں اس کے پاس اپنے بچاؤ کا کیا حیلہ ہوگا؟ کیا جس طرح اُس نے دنیا میں سفارش اور رشوت کے ذریعہ اپنی بے ایمانی اور دھوکہ بازی کی سزا سے بچ گیا تھا اپنے رب کی بارگاہ میں بھی کیا ایسا کرنا ممکن ہوگا؟ ہرگز نہیں تو پھر کیوں حرص میں پھنس کر بندہ اپنی آخرت برباد کرے۔

حرص آپس میں دلوں میں بغض وکینہ کو جنم دیتا ہے کیونکہ حرص کی وجہ سے حریص شخص جب کسی شئے کو دنیاداروں سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی ان سے رسہ کشی ہوتی ہے جو بغض وکینہ کا سبب بنتی ہے کیونکہ حریص چاہتا ہے کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کو مل جائے اگر وہ نہیں مل پاتا تو ان سے اس کو دشمنی اور بغض ہوجاتا ہے اور کبھی تو نوبت خون خرابے اور قتل

تک پہنچ جاتی ہے۔

حکایت:۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ایک مرتبہ کسی سفر پر تشریف لے جارہے تھے ایک شخص نے سفر میں آپ کی خدمت میں رہنے کی خواہش کی آپ نے اس کو اجازت دیدی۔ وہ سفر میں آپ کے ساتھ ہوگیا۔ کچھ راستہ طئے ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور وہ شخص کھانے کیلئے جنگل میں ٹھہرے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس توشہ تھا جس میں تین روٹیاں تھیں ان روٹیوں میں سے آپ نے ایک روٹی اُس شخص کو عطا فرمائی اور ایک روٹی اپنے لئے خود رکھی اور تیسری روٹی وہیں چھوڑ کر قریب ندی سے پانی لانے کیلئے تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو وہاں تیسری روٹی نہیں تھی آپ نے اُس شخص سے روٹی کے بارے میں دریافت فرمایا تو اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا آپ اُس شخص کو لے کر ندی پر تشریف لے گئے اور بہتے پانی پر سے چلتے ہوئے اُس شخص کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کنارے پر پہنچے اور اُس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے شخص قسم ہے اُس ذات کی جس نے تجھکو یہ معجزہ دکھایا مجھے بتا کے وہ روٹی کس نے لی اُس نے دوبارہ لاعلمی کا اظہار کیا۔ آپ اُس کو ساتھ لیکر سفر فرماتے رہے اور دوران سفر دوبارہ جب بھوک محسوس ہوئی تو آپ نے جنگل میں سے گزرتے ہوئے ایک ہرن کے بچے کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا آپ نے اُس ہرن کے بچے کو ذبح فرمایا اور اس کا گوشت بھون کر خود بھی تناول فرمایا اور اُس شخص کو بھی عنایت فرمایا جو آپ کے ساتھ تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد اپنا دست اقدس ان ہڈیوں پر پھیرا جو گوشت کھانے کے بعد بچی ہوئی تھیں تو ہرن کا بچہ فوراً زندہ ہوکر دوڑتا ہوا جنگل میں چلا گیا۔ آپ نے دوبارہ اُس شخص سے مخاطب ہوکر فرمایا اے شخص اس ذات کی قسم جس نے تجھے یہ معجزہ دکھایا ہے تیسری روٹی کے بارے میں مجھے بتا اُس

نے پھر جواب دیا کے مجھے نہیں معلوم، پھر آپ نے مٹی کا ایک ڈھیر جمع فرما کر اُس پر اپنا دست اقدس پھیرا تو وہ سونے میں تبدیل ہو گیا۔ آپ نے اُس کے تین حصہ بنائے اور ارشاد فرمایا ایک حصہ میرے لئے، ایک حصہ تیرے لئے اور تیسرا حصہ اُس کیلئے جس نے وہ روٹی لی تھی تو فوری وہ شخص کہنے لگا کہ یہ حصہ بھی مجھے دے دیں کہ وہ تیسری روٹی میں نے لی تھی۔ یہ سن کر آپ تینوں حصے اور اُس شخص کو وہیں چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے کچھ دیر بعد اُس مقام پر جہاں یہ شخص سونے کا ڈھیر لئے بیٹھا تھا دو ڈاکو آ پہنچے۔ جب انہوں نے جنگل میں ایک اکیلے شخص کو اتنے سارے سونے کے ساتھ دیکھا تو اُس کے قتل کا ارادہ کیا۔ اس شخص نے ان کی نیت بھانپ کر فوری کہہ دیا کہ یہ سارا سونا ہم آپس میں بانٹ لیں گے وہ راضی ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کو بھوک محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو شہر سے کھانا لانے کیلئے بھیجا جب وہ وہاں سے چلا گیا تو انہوں نے ملکر یہ منصوبہ بنایا کے جب وہ کھانا لیکر آئیگا تو وہ دونوں اس کو قتل کر دینگے اور سونا برابر برابر تقسیم کر لینگے اور اُس شخص نے یہ ارادہ کیا کہ کھانے میں زہر ملا کر وہ دونوں کا کام تمام کر دیگا اور سارا سونا خود رکھ لیگا اور جب وہ شہر سے زہر ملا ہوا کھانا لیکر جنگل میں آیا ان دونوں نے فوری اس شخص کا قتل کر دیا اور پھر اُس زہر ملے ہوئے کھانے کو کھا کر خود بھی ہلاک ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے ان کی نعشوں اور سونے کے ڈھیر کو پڑا ہوا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ ہے لالچ کا انجام۔ (مکاشفة القلوب)

اس عبرتناک حکایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لالچ کیسی بُری بلا ہے اور کیسے یہ لوگوں میں دشمنی اور بغض پیدا کرتی ہے اور کیسے ہلاکت کی طرف لیجاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تاکید فرمائی کے وہ حرص سے بچیں کیونکہ

حرص وطمع ولالچ انسان کو جان لینے اور خون بہانے پر اُبھارتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے ''حرص وطمع سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلوں کو برباد کیا اسی نے ان کو آمادہ کیا تو انہوں نے خون بہایا اور حرام کو حلال سمجھا'' (صحیح مسلم) کیا ہم اس دور میں یہ بات نہیں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ دولت کی حرص اور کرسی کی حرص وشہرت ونام ونمود کی حرص اور دیگر دنیوی چیزوں کی حرص کی وجہ سے حلال وحرام میں نہ تو تمیز کرتے ہیں اور نہ لوگوں کا خون بہانے سے گریز کرتے ہیں۔

حرص انسان کو غمزدہ کرنے والی اور سخت بُرائیوں میں مبتلا کرنے والی ہے جیسا کہ ارشادِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''انسان میں سب سے بُری بات کڑھانے والی حرص اور گھبرادینے والی نامردی ہے'' (ابوداؤد) اور جس شخص میں حرص کی بُری صفت موجود ہو اُس کو ایمان کا کمال ہرگز نصیب نہیں ہوسکتا کیونکہ ایمان کے کمال کا نتیجہ صبر، شکر، قناعت ہے اور حرص میں بےصبری ہوس اور بےاطمینانی ہوتی ہے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے یعنی حریص شخص کو ایمان کا درجہ کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور حرص جس دل میں ہو ہمیشہ ایسے شخص کیلئے اس بات کا خطرہ موجود رہتا ہے کہ وہ اُس کے ایمان کی خرابی کا سبب بنے اور اس بات کو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے اپنے ارشاد پاک میں یوں بیان فرمایا ہے۔

دو بھیڑیئے جو بکریوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی مال اور جاہ کی حرص ان کے دین وایمان کو برباد کردیتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جس بندہ کو حرص سے محفوظ فرمایا تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہے۔

[١٦] وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (التغابن۔١٦)

(ترجمہ: اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہوگا)۔

ان تمام اقوالِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حرص کا بدترین ہونا اور اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہونا ثابت ہوا اور اس مذموم صفت سے اپنے کو بچانا اور دل کو اس بُری صفت سے پاک کرنا لازمی ٹھہرا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حرص کی خرابیوں اور نقصانات کو بیان فرمایا ہے وہیں اس سے بچنے کی تدابیر اور اس سے اپنے دل کو پاک کرنے کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا ہے جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں جو حرص کی بیماری کیلئے بمنزلہ علاج کے ہے۔

علاج : حرص کے مرض کیلئے قناعت سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ قناعت کہتے ہیں جو کچھ میسر ہو اُس پر راضی ہوجانا یعنی بقدر ضرورت اپنے کھانے پینے اور پہنے کی چیزوں پر راضی ہوجانا اور جمع مال کی حرص نہ کرنا۔ قناعت کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اَلْقِنَاعَةُ کَنْزٌ لَا یَفْنٰی (کیمائے سعادت) (ترجمہ: یعنی قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا) اس حدیث شریف میں قناعت کو لا فانی خزانہ سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی غنی وہ نہیں جس نے حرص سے مال ومتاع دنیوی جمع کیا بلکہ غنی وہ ہے جس میں قناعت پسندی ہو۔ قناعت پسندی سے جہاں مرض حرص کا علاج ہوتا ہے وہیں اس کے اور بہت سارے فائدے ہیں کہ قانع کبھی کسی کے آگے مجبور نہیں ہوتا کیونکہ معمولی اشیاء دنیوی پر بھی راضی رہنے کی عادت اُس کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے یا

کوئی غلط راستے سے اپنی خواہشات کی تکمیل سے روک دیتی ہے۔ دور حاضر میں لوگ اس درجہ اپنی خواہشات اور آرزوؤں کے غلام بنے ہوئے ہیں کے اُس کی تکمیل کیلئے جائز اور ناجائز بھی احساس باقی نہیں رہا اور اس بُرائی کا علاج قناعت پسندی یعنی اپنی آرزوؤں اور خواہشات کو کم کرنے اور جو کچھ بھی میسر ہو اس پر راضی رہنے میں ہے۔

کسی انسان کے پاس اگر وسائل اور ذرائع نہ ہوں جن سے وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکے یا اس کی حرص پوری ہو اور ایسا انسان مجبوری کی وجہ سے معمولی گزران پر راضی ہو تو یہ کوئی کمال نہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اسباب و وسائل موجود رہے اس کے باوجود بندہ کا نفس کھانے پینے کی چیزوں اور ضروری لباس یا اشیاءِ ضروریہ پر اکتفا کرے اور جمع مال کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس بات کا نمونہ پیش کر رہی ہے کہ کائینات جس ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ کھا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قاسم نعمت بنایا **واللہ معطی و انا قاسم** (یعنی اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور میں تقسیم کرنے والا ہوں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت پسندی کا یہ حال کے مدنی حیات پاک میں فتوحات کے بعد مال و دولت کے ڈھیر قدموں میں پڑے ہیں اور بی بی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ آ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر تین دن تک کبھی گیہوں کی روٹی نہ کھائی اور فرماتی ہیں متواتر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا اور ہمارے گھر میں چولھا نہ جلتا تھا۔ اہل خانہ پانی اور کھجور پر گزران کرتے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر استراحت فرما تھے۔ اٹھے تو جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت ہو تو ہم کوئی گدّا بنوا کر پیش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے دنیا سے کیا کام میرا تو دنیا سے صرف اتنا تعلق ہے جیسے کوئی سوار تھوڑی دیر کیلئے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جائے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے“۔

یہ تھی دو عالم کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں سے قناعت وزہد کی چند مثالیں۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ضروریات کو تو چھوڑ وخواہشات کو بھی اپنے دین میں داخل کر لئے ہیں اور اگر دکھاوا اور نمائش میں ذرا سی بھی کمی رہ جائے تو اس پر بھی ہم راضی نہیں ہوتے جبکہ ہم کو دعویٰ ہے کہ ہم اُس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور ان سے سچی محبت کرنے والے ہیں۔

حرص کی بیماری کا علاج قناعت کے ساتھ سخاوت کو اختیار کرنا بھی ہے۔سخاوت کا معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کردینے کے ہیں۔سخاوت جذبہ حرص کو نابود کرتی ہے۔حرص میں جہاں پر زیادہ کی طلب ہوتی ہے تو وہیں بخل بھی پیدا ہوجاتا ہے۔اور سخاوت بخل کی ضد ہے۔سخاوت کا بڑا وسیع مفہوم ہے جس کو ان شاء اللہ ہم بخل کے عنوان کے تحت تفصیل سے بیان کرینگے۔

اس عنوان کے تحت یہاں ہم آخر میں ایک واقعہ نقل کرینگے جس سے اس بات کا پتہ چلے گا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو قناعت پسندی کی تعلیم کس طرح فرماتے تھے اور قناعت پسندی کس درجہ اہم ہے اور خاص طور پر مسلمان عورتوں کیلئے اس واقعہ میں بڑی عظیم نصیحت موجود ہے۔

حکایت: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے حسنِ ظن رکھتے تھے،ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمران! تمہارا میرے

نزدیک ایک خاص مقام ہے، کیا تم میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی عیادت کو چلو گے؟ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان' ضرور چلوں گا چنانچہ ہم روانہ ہو گئے اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے دروازہ پر پہنچے، آپ ﷺ نے دروازہ کھٹکھٹایا، سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تشریف لائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے، پوچھا گیا حضور! دوسرا کون ہے؟ آپ نے فرمایا عمران' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں' ربِ جلال کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں صرف ایک چادر سے جسم چھپائے ہوئے ہوں۔ آپ ﷺ نے دستِ اقدس کے اشارے سے فرمایا تم ان سے پردہ کرلو، انہوں نے عرض کیا اس طرح میرا جسم ڈھک جاتا ہے مگر سر نہیں چھپتا۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف ایک پرانی چادر پھینکی اور فرمایا تم اس سے سر ڈھانپ لو، اس کے بعد آپ گھر میں داخل ہوئے اور سلام کے بعد پوچھا، بیٹی کیسی ہو؟ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، حضور مجھے دوہری تکلیف ہے، ایک بیماری کی تکلیف اور دوسرے بھوک کی تکلیف! میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جسے کھا کر بھوک مٹا سکوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اشکبار ہو گئے اور فرمایا بیٹی گھبراؤ نہیں، رب کی قسم میرا مرتبہ رب کے یہاں تم سے زیادہ ہے مگر میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے، اگر میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں تو مجھے ضرور کھلائے مگر میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے پھر آپ نے حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خوش ہو جاؤ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انہوں نے پوچھا حضرتِ آسیہ اور مریم کہاں ہونگی؟ آپ نے فرمایا آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہؤ تم جنت کے ایسے محلات میں رہو گی جس

میں کوئی عیب، کوئی دکھ اور کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ پھر فرمایا میرے چچا زاد بھائی (علی) کے ساتھ خوش رہو، میں نے تمہاری شادی دنیا اور آخرت کے سردار کے ساتھ کی ہے۔ ذرا غور کرو دو عالم کے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادیؓ کا جب یہ عالم تھا تو مسلمان عورتیں جو اُن کی کنیزیں ہیں اُن کو شہزادیؓ کی اتباع کرتے ہوئے کیسے قناعت پسندی اور معمولی دنیا پر گزران کیلئے راضی رہنا چاہیئے۔

بخل (کنجوسی)

بخل کنجوسی کو کہتے ہیں۔یعنی مال ومتاع کو اس جگہ خرچ کرنے سے روکنا جہاں خرچ کرنا چاہئے۔جودوسخاوت اسکی ضد ہے۔اب چاہے مال کو خرچ کرنے سے روکنا خدا کی راہ میں ہو یا حقوق کو ادا کرنے میں ہو یا مسلمانوں کی حاجت براری سے ہاتھ روکنا ہو' بخل کہلاتا ہے۔بخل دل کی بدترین بیماریوں میں سے ہے۔اور یہ ایسا مرض ہے جو بہت ساری بُری صفات کو دل میں پیدا کرتا ہے۔بخیل اپنے بخل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے اور بخیل کی عبادات جیسے نماز' روزہ وغیرہ کو بخل کے سبب اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس گنہگار سخی نیکوکار بخیل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔(ترمذی) بخل تمام نیکیوں کو ضائع کردیتا ہے اور بخیل اپنے بخل کے سبب سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔قرآن پاک میں بخل کی سخت مذمت کی گئی ہے اور بخل کرنے والوں کیلئے دردناک عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے:

[۱۵] اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرً لَّھُمْ ط بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ط سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط (آل عمران۔۱۸۰)

(ترجمہ: جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کیلئے نہایت بدتر ہے عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کا طوق ڈالے جائینگے۔)

ایسے لوگ جن کو اپنے مال سے بڑی محبت ہوتی ہے اور وہ اپنے اُس مال کو جہاں خرچ کرنا شریعت نے ضروری قرار دیا ہے۔جیسے زکوٰۃ' اہل وعیال کا نان ونفقہ وہاں بھی مال خرچ نہ

کرے ان کیلئے یہ وعید ہے کہ وہ مال جو انہوں نے جمع کر رکھا تھا اُسی کو طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا جو عذاب اور مجرموں کی علامت ہوگی۔

حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن اُس (بخیل) کے مال کو ایک زہریلا اور نہایت خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ (بخاری شریف)

اللہ کی پناہ ایسے عذاب سے۔ بخل ایسی بُری صفت ہے کہ جس کا نقصان بخل کرنے والے کو ہی اٹھانا پڑتا ہے کہ دنیا میں بھی بخیل سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اپنے بخل کی وجہ سے نعمتوں کے استفادہ سے محروم رہتا ہے اور کڑھتا ہے اور آخرت کا عذاب الگ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[١٦]وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ (محمد۔۳۸)

(ترجمہ: اور جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخل کرتا ہے)

اگر کوئی مسلمان ہو اور اس میں بخل کی عادت ہو تو یہ عادت اُس کو ایمان کے درجات کی بلندی سے روک دیتی ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ ''مومن میں دو عادتیں جمع نہیں ہو سکتیں بخل اور بد خلقی'' (ترمذی) یہاں مومن سے مراد کامل مومن ہے اور بخیل شخص ہر قسم کے خیر سے جو انسان کو جنت میں لے جانے والا ہے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ بخیل کو جنت میں نہیں بھیجونگا''۔ اس عنوان کے ابتدا میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ بخل بہت ساری بُری عادتوں کو جنم دیتا ہے اس لئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ''بخل سے بچو' کیونکہ جن لوگوں میں بخل آجاتا ہے وہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے' صلہ رحمی (رشتوں کو جوڑنا) نہیں کرتے'' اور

ناحق خون بہایا کرتے ہیں۔(کیمیائے سعادت)

قرآن مجید میں ایک مقام پر حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کیلئے وعید نازل فرمائی ہے جو مال کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ فرمایا

[۱۷] وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ o (التوبہ:۳۴)

(ترجمہ: اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے)۔

حکایت: روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کعبہ شریف کے حلقہ کو پکڑ کر کہہ رہا تھا، یا الٰہی اس گھر کی برکت سے میرے گناہ بخش دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تیرا گناہ کیا ہے؟ اس نے کہا میرا گناہ اتنا عظیم ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا آسمان؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش؟ اس نے کہا میرا گناہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا حق تعالیٰ؟ اس نے کہا حق تعالیٰ سب سے بڑا ہے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کر تیرا ایسا کونسا گناہ ہے؟ اس نے کہا میں بڑا مالدار ہوں لیکن جب کوئی درویش دور سے مجھے نظر آتا ہے کہ میری طرف آ رہا ہے تو میں سمجھتا ہوں آگ آ رہی ہے جو مجھے جلا دے گی (یعنی بخیل ہوں) تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا میرے قریب سے دور کہیں تیری آگ مجھے نہ جلا دے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے ہدایت کیلئے بھیجا ہے

اگر تو رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان ہزار برس بھی نماز پڑھے گا اور اس قدر روئے کہ تیرے آنسوؤں سے ندیاں بہہ جاتیں اور ان سے درخت اُگ آئیں اور تو بخیل ہی حالت میں مرجائے تو تیرا مقام دوزخ ہوگا، بخل کفر کی علامت ہے اور کفر کا ٹھکانہ جہنم ہے! افسوس کیا تو نے نہیں سنا۔

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهٖ ط اور فرمایا: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ التغابن۔۱۶) (اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان پر بخل کرتا ہے اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب رہا)۔

بخل کا مرض طول امل (لمبی لمبی امیدیں) کے سبب دل میں پیدا ہوتا ہے آرزوؤں اور تمناؤں کی کثرت جب دل میں جم جاتی ہے تو ان کی تکمیل کیلئے مال کو جمع کرنا ضروری ہے۔ اور خوب مال جمع کرنے کی آرزو حرص کی بیماری دل میں پیدا کرتی ہے اور حرص، بخل کو جنم دیتی ہے۔ اور بخیل آدمی یہ سوچ کر مال کو خرچ نہیں کرتا کہ اگر مال خرچ ہو جائیگا تو پھر اُس کی آرزوئیں اور تمنائیں کیسے پوری ہونگی اور (بخل کے سبب) اُس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور دل توکل سے خالی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے مال پر اعتماد کرتا ہے اور اُس کو ہی اپنا حاجت روا اور مسبب الاسباب سمجھتا ہے۔ وہ نادان اتنا نہیں سوچتا کہ وہی ذات پاک نے اُس کو فقیر سے غنی بنایا اگر وہ اس عطا کردہ مال میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرے تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ دوبارہ اُس کو نواز دے اور اسی ذات پاک نے تو وعدہ بھی فرمایا ہے کہ جو اُس کی راہ میں اُسکے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرتے ہیں تو وہ اُس مال میں بہت برکت عنایت فرماتا ہے۔

[۱۸] مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌO (البقرہ آیت ۲۶۱)

"(ترجمہ: اور جولوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گناہ اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے)۔

کنجوس شخص کی عقل پر ایسے غفلت کے پردہ پڑ جاتے ہیں کہ وہ اُس کے پاس موجود مال کو صرف خود کی کاوشوں اور محنت کا نتیجہ سمجھتا ہے جبکہ وہ مال محض اللہ کے فضل سے اس کو حاصل ہوا ہے کیونکہ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو اپنی ساری زندگی محنت اور مشقتوں میں صَرف کرتے ہیں اس کے باوجود غربت اور مسکینی ان کا مقدر ہوتی ہے۔ یہ صرف فضلِ مولا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ کثیر مال کا مالک بنا دیا جاتا ہے تو اُس بندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولا کا شکر بجالائے اور اُس کے عطا کردہ مال میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرے اور بخل سے اپنے کو بچائے۔

کنجوسی کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ کنجوس اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے پاس ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے "بخیل اللہ سے دور لوگوں سے دور اور جنت سے دور ہوتا ہے"۔ (کیمیائے سعادت)

اللہ تعالیٰ سے دور تو اسلئے ہے کہ بخالت یا کنجوسی کا عمل اللہ تعالیٰ کے پاس سخت ناپسندیدہ ہے تو اُسکا مرتکب بھی ناپسندیدہ ہوگا اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کیسے اپنا قرب عطا فرمائے گا۔ اور لوگوں سے اسلئے دور ہوتا ہے کہ لوگ اُس سے کچھ مانگ نہ لیں وہ خود ان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اُسکی کنجوسی کی عادت کی وجہ سے لوگ بھی اس کو ناپسند کرتے ہیں اور جنت سے اسلئے دور ہے کہ آپ حدیث شریف پڑھ آئے ہیں کہ بخیل کو اللہ تعالیٰ کبھی جنت میں

داخل نہیں فرمائیگا۔

بخل کی بیماری کا علاج: اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے یا اللہ کے بندوں کے حقوق جو ہم پر فرض ہیں ان کے ادا کرنے میں کبھی دل میں تنگی ہو یا کنجوسی کی طرف طبیعت مائل ہو تو ایسے وقت چاہیئے کہ ان آیات قرآنی واحادیث شریفہ جو بخل کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں اس میں غور کرے کہ جن میں سے کچھ ہم نے اس عنوان کے ضمن میں تحریر کئے ہیں کہ بخل کی بیماری کیسی مہلک اور نقصان دہ ہے۔ بخیل کی نہ کوئی نیکی عنداللہ مقبول ہے اور نہ ہی اُسکا روکا ہوا مال اُسکو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا ہے اور سخاوت جو بخل کی ضد ہے اُسکے فضائل میں غور کرے کہ کیسے سخی کا تھوڑا سا نیک عمل سخاوت کے سبب اُس کو فائدہ پہنچائیگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ”سخی اللہ تعالیٰ کے قریب لوگوں کے قریب اور جنت کے قریب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس عبادت گزار بخیل سے جاہل سخی زیادہ محبوب ہے“۔ (کیمیائے سعادت) کیونکہ سخاوت کے سبب اُس کو تھوڑے سے عمل کا بھی اپنے رب کے پاس بھرپور اجر ملے گا۔ اور سخاوت کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاک کو اپنے لئے نمونہ بنائے گا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سائل کو جس نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا ہو نہ نہیں فرمایا۔

واقعہ: ایک دفعہ ایک بدو (گاؤں والا) نے آکر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں مجھے دیدو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب اُس کو عنایت فرمادیئے۔ اس عدیم النظیر سخاوت پر اُس نے اپنے قبیلے والوں سے جا کر کہا! بھائیو اسلام قبول کرلو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ کسی کو اپنے فقر وافلاس کا خوف نہیں

رہتا۔ ایسے بے حساب واقعات آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں موجود ہیں جن کا مطالعہ دلوں کو منور کریگا اور قلب سے بخل کی گندگی کو دور کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ یہ تو بخل کا علمی علاج تھا اور عملی علاج یہ ہے کہ بندہ عملی سخاوت اور ایثار کو اپنا معمول بنائے جو کہ کنجوسی کے مرض کا مؤثر علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو خرچ کرنے میں جو فرائض مثلاً زکوٰۃ نان نفقہ وغیرہ اُس پر لازم کئے ہیں ان کے علاوہ بھی مال و دولت کو غریبوں محتاجوں پر خرچ کرے اور مساجد' مدرسوں اور خانقاہوں کے کاموں میں آگے بڑھ کر حصہ لے اسی طرح تبلیغ دین واشاعتِ دین واعلاء کلمتہ اللہ کیلئے بھی اپنے مال سے اعانت کرے اور جس طرح بھی ممکن ہو ایثار وسخاوت سے اپنے رب کو راضی کرے اور مال کی محبت کی جڑیں جو دل میں جمی ہوئی ہیں اُس کو سخاوت کی تلوار سے کاٹ ڈالے اور کسی چیز کی محبت سے پیچھا چھڑانے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ بندہ اُسی چیز سے اپنے ظاہر کو بھی اور اپنے دل کو بھی علیحدہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کے پاس نیکی کے درجہ کمال کا معیار بھی یہ ہے کہ اُس محبوبِ حقیقی پر ہر محبوب چیز کو قربان کیا جائے اور اُس نے نیکی کے درجہ کمال کے حصول کا یہی راستہ مقرر فرمایا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

[۱۹] لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (پ۔۴آل عمران۹۲)

(ترجمہ: تم ہرگز نیکی کو نہیں پاسکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔)

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ بخل کا اصل سبب مال سے دلی لگاؤ ہے اور اس خرابی کی اصلاح کیلئے بعض مشائخ اپنے مریدوں کو اس طریقہ پر عمل کرواتے تھے کہ مرید کے دل سے اشیاء سے دلی لگاؤ دور ہو جائے کہ وہ مرید کو عبادت کیلئے ایک کمرہ یا ایک گوشہ دیتے تھے۔لیکن

جب مرید کو اس گوشہ یا کمرہ سے اُنس ہو جاتا تھا یا اُس کا دل اُس کمرے یا گوشہ میں لگ جاتا تھا تو کسی دوسرے مرید کو وہ گوشہ یا کمرہ دے دیتے اور پہلے مرید کو دوسری جگہ بھیج دیتے تھے۔اس میں حکمت یہ تھی کہ دل کا لگاؤ جاتا رہے جو بخل کا سبب ہے۔اسی طرح مال ودولت سے جو لگاؤ انسان کو ہوتا ہے وہ بخل کا سبب ہے تو اس کا علاج یہی ہے کہ اُس مال کو انسان اپنے سے علیحدہ کر دے۔

ریا کاری (دکھاوا)

ریا کا معنی دکھاوا یا نمائش کے ہیں یعنی نیکی کرنے والا نیکی کر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کے طلب کے لوگوں سے تعریف اور واہ واہ کا خواہاں ہو تو یہ ریا کہلاتا ہے۔اور ریا بہت بُری صفت ہے اور اتنی بُری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو گناہ سب سے بڑا ہے اس کی قبیل یعنی شرک سے ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔''میں اپنی اُمت کے معاملے میں کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا (ان کے مبتلا ہونے سے) جتنا ان کے چھوٹے شرک سے۔لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ریا (دکھاوا) ہے''۔اس حدیث پاک میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا کاری کو چھوٹا شرک فرمایا اصل میں شرک کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی اور کو شامل کرنا یعنی جیسی ذات یا صفات اُس کی ہیں کسی اور کو بھی ویسے ہی سمجھنا۔اسی طرح عبادت بھی خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کے علاوہ عبادت چاہے وہ بدنی ہو (جیسے نماز، روزہ وغیرہ) یا مالی (جیسے زکوٰۃ صدقات وغیرہ) صرف اُسی کی رضا اور خوشنودی

کیلئے کرنا چاہیئے اور اس عبادت میں کسی اور کو راضی یا خوش کرنے کی نیت شامل ہو جائے تو یہ شرک فی العبادات ہوتا ہے۔

ریا کاری کو اس لحاظ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹا شرک قرار دیا کے عبادت کرنے والا ظاہر ہے کہ شرک جلی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک سے بچنے والا ہی ہوگا لیکن اپنے جذبہ ریا کی وجہ سے اپنی عبادتوں کو (جو مالی بھی ہوسکتی ہیں یا بدنی بھی) لوگوں میں اپنی تعریف یا بڑائی کی نیت رکھتا ہے جب کہ عبادت کو خالصتاً اللہ کرنا چاہیئے۔

ریا میں ساری خرابی اصل میں نیت کی ہوتی ہے کیونکہ تمام اعمال کا دارو مدار چاہے وہ مقبول ہو یا مردود صرف نیت ہی پر منحصر ہے اور اس کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قولِ پاک میں خوب واضح فرما دیا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (بخاری شریف) (ترجمہ: تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) یعنی انسان کے ظاہری اعمال اُس کو ثواب دینگے یا وبال بنیگے اس کی بنیاد نیت پر ہے۔ نیت ہی عمل کیلئے محرک بنتی ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا بندہ نے خالص اپنے رب تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کی نیت سے عمل کیا ہے یا نہیں۔ اور اگر بات ایسی ہے تو وہ عمل عنداللہ مقبول ہوتا ہے اور اگر اُس بندہ کی نیت یہ تھی کہ وہ اُس نیک عمل یا عبادت سے اللہ کے بندوں میں نیکوکار یا عبادت گزار کہلائے تو خرابِ نیت کی وجہ سے نہ صرف اس کا عمل ضائع ہوتا ہے بلکہ الٹا ریا کاری کا گناہ الگ۔ کیونکہ دکھاوے کیلئے کئے ہوئے عمل کا اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔ اور حدیث پاک میں یہ بات موجود ہیکہ قیامت کے دن ریا کاروں کو اللہ پاک فرمائینگے ''اے ریا کارو تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو تم میری عبادت کیا کرتے تھے اور اپنے عمل کی جزا ان ہی سے مانگو''۔ اب غور

کرنے کی بات ہے کہ کیا قیامت کے دن کوئی اور بھی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اعمال کا بدلہ دے گا۔یعنی ریا کار کے سارے اعمال جو اُس نے ریا کے سبب کیا تھا ضائع جائینگے اوران اعمال کیلئے اسکی اٹھائی ہوئی مشقت رائیگاں جائے گی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر منافقوں کے ذکر کے ضمن میں ان کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ نماز، صدقہ، جہاد دکھاوے کیلئے کرتے ہیں یعنی ریا کی صفت منافقت کی کوک سے جنم لیتی ہے اور منافق کہتے ہیں ایسے شخص کو جو دل میں کفر چھپائے اور اسلام ظاہر کرے اور ریا کاری بھی نفاق سے اسی معنی میں مشابہ ہے۔ریا کار بھی دل میں ایک بات چھپائے رکھتا ہے اور ظاہری عمل اُس کا کچھ اور ہوتا ہے اور منافق کے بھی ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے جو مومن کی شان کے مغائر ہے اور کوئی بھی مسلمان ہرگز ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ منافق کی ایک صفت بھی اُس میں پیدا ہو اور ریا منافقوں کا وطیرہ ہے۔ تو ایک مسلمان کیلئے لازمی ہے کہ ریا و نمائش سے اپنے آپ کو بچائے۔منافق اس لئے اپنے ظاہر میں اسلام کا یا نیکوکار ہونے کا ڈھونگ کرتا ہے کیونکہ اُس کے دل میں تو ایمان ہوتا ہی نہیں اور نہ کسی نیک کام کے اجر کی اللہ کی ذات سے توقع تو اپنے عمل سے لوگوں سے اس دنیا میں ہی تعریف و توصیف کا خواہاں ہوتا ہے جو سراسر دھوکا ہے جیسے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

[۲۰] یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ (البقرہ۔۹)

(ترجمہ: یہ (منافق) دھوکہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو لیکن دراصل وہ خود اپنے کو دھوکہ دیتے ہیں۔)

ریا بھی ایک طرح کا دھوکہ ہے کہ دل میں کچھ اور نیت رکھ کر ظاہر میں کچھ اور طرز عمل

اختیار کیا جاتا ہے۔ ریا کار کے دل میں تو لوگوں سے تعریف اور پارسا کہلانے کی تمنا ہوتی ہے اور ظاہر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت یا دینداری کو اختیار کرتا ہے۔ ریا کاری کا مرض تو کسی بھی بندہ میں پیدا ہوسکتا ہے لیکن اس مرض میں زیادہ تر عبادت گزار درویشی کرنے والے، علم سیکھنے اور سکھانے والے لوگ بہت زیادہ مبتلا ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ کثرت عبادت زہد یا علمی مشغولیت سے انسان میں اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنے جس کو تکبر کہتے ہیں اور دوسروں سے تعریف پانے یا پارسا بنے رہنے کا جذبہ پیدا کرنے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ اس واسطے صوفیہ نے زہد، عبادت وحصول علم کے ساتھ تزکیہ نفس اور شیطان کے دھوکوں سے بچنے کیلئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے اور زانوئے ادب طئے کرنے کی تاکید کی ہے۔ ریا کے ساتھ کیا ہوا نیک عمل انسان کیلئے اجر کا باعث ہونا تو دور الٹا ایسا عمل جو ظاہر میں کتنا ہی اچھا ہو اور لاکھ ظاہری احکام کی رو سے درست ہو قیامت کے دن اس کو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ اور کتنے افسوس کا مقام ہے کہ انسان نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ وغیرہ جیسے نیک اعمال کر کے ریا کاروں میں شامل ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائے اور نجات سے محروم ہوجائے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کیلئے جو نسخہ تجویز فرمایا ہے وہ آپ ﷺ کے اس ارشاد پاک میں موجود ہے کہ فرمایا۔

''تو خدا کی بندگی کرے اور ریا کے واسطے عمل نہ کرے''۔ (کیمیائے سعادت)

یعنی نجات چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی بندگی لازمی ہے اور اپنے اعمال صالحہ کو دکھاوے اور نمائش سے پاک کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ ریا تھوڑی ہو یا بہت اعمال کو باطل کرنے والی ہے۔

جیسا کہ ارشاد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا شامل

ہوگئی اللہ تعالیٰ اُس کو قبول نہیں فرمائینگے‘‘۔(کیمیائے سعادت)اور اس قول رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عمل سے مراد تمام نیک اعمال ہیں۔جیسے نماز‘روزہ‘صدقات‘جہاد وغیرہ کہ ان اعمال میں ذرہ برابر بھی دکھاوا ان کو اللہ کی بارگاہ میں مردود کردیگا۔

اسی طرح علم جس کے سیکھنے کی بڑی تاکید اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اُس کے سیکھنے میں بھی اگر ریا کا جذبہ شامل ہوجائے یعنی علم سیکھنے سے انسان کا مقصد لوگوں میں شہرت اور عزت کا حصول ہو تو ایسا علم ایسے عالم کیلئے ہرگز نافع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایسا علم اس کے سیکھنے والے کیلئے آزمائش بن جاتا ہے۔اور ایسے عالموں کیلئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت عذاب ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے’’ **جُبُّ الْحُزْنُ**‘‘ (غم کے گڑھے) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **جُبُّ الْحُزْنُ** کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جہنم کا ایک غار ہے جو ریاکار عالموں کیلئے تیار کیا گیا ہے۔اللہ کی پناہ ایسے عذاب سے کہ کہاں وہ عالم کہ جس کی محبت اور رہنمائی سے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ ہدایت یافتہ ہوجائیں اور صراط مستقیم کو پہچانیں اور کہاں ریاکار عالم کہ جس کیلئے ایسا عذاب کہ جہنم خود جس عذاب سے پناہ چاہے۔**اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا منھم**۔(آمین)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر تھی کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی اُمت کے لوگ ریاکاری میں مبتلا ہوں گے اور آپ ﷺ کو اس بات کا غم بھی تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس بات سے آگاہ بھی فرمادیا تاکہ صحابہ کرامؓ کے ذریعہ بعد والے لوگوں کو ہر زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس ناپسندیدہ عمل کی اطلاع پہنچ جائے اور وہ اس بُری صفت سے باز رہیں جیسا کہ حضرت شداد بن اوسؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشکبار دیکھا تو عرض کیا کہ حضور ﷺ آپ کس وجہ سے روتے ہیں؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے خوف ہے کہ میری اُمت کے لوگ شرک میں مبتلا ہو جائینگے وہ بت پرستی یا ستارہ پرستی تو نہیں کرینگے بلکہ عبادت ریا کے ساتھ کرینگے۔''

(کیمیائے سعادت)

عزیزو! غور کرو کہ سرکار پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا کاری کو شرک فرمایا اور اس ریا کاری کے عمل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس درجہ افسوس ہوا کہ آقا اشکبار ہو گئے کیوں؟ اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے اتنی محبت ہے کہ اتنی محبت ایک ماں اپنی اولاد سے بھی نہیں کر سکتی اور جیسے ایک ماں کا دل اپنی اولاد کے اعمال کے انجام کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور ان کیلئے مغموم ہوتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس کی اولاد بُرے انجام سے بچے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماؤں سے زیادہ مہربان ہیں ہمارے ریا میں مبتلا ہونے اور اس کے نتیجہ میں دائمی نقصان اُٹھانے کو جان کر اُس سے بچانے کی فکر میں غمناک ہوئے۔

تو دوستو! کیا یہ ہم پر لازم نہیں کہ ہم ایسی بُری صفت سے بچیں جس سے بچنے میں صرف اور صرف ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم دنیا میں اتنی محنتیں کر کے نماز پڑتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو توفیق بخشی وہ جہاد فی سبیل اللہ بھی کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرتے ہیں۔ مگر ذرا سوچو کے کل روزِ قیامت جب یہ سارے نیک اعمال لیکر ہم اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور ہمارے ساتھ بھی ویسا ہی کچھ ہوگا جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جنھوں نے وہ ساری نیکیاں کی ہونگی جو اوپر مذکور ہیں لیکن ان نیکیوں میں ان کے دکھاوے کی

وجہ سے ان کے سارے نیک کام ان کو جہنم میں لے جائینگے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ ’’قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اُس سے پوچھا جائیگا کہ تو نے کیا اطاعت کی! وہ جواب دے گا کہ میں نے خدا کی راہ میں جان فدا کی اور جہاد میں مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو نے جھوٹ کہا، جہاد تو اس واسطے تو نے کیا تھا کہ لوگ کہیں فلاں شخص بڑا بہادر ہے، میں نے دنیا ہی میں شہرت دے دیا تھا۔ پھر حکم ہوگا اس کو جہنم میں لے جاؤ۔ اسکے بعد دوسرے شخص کو لایا جائے گا اس سے دریافت کیا جائے گا تو نے کیا اطاعت کی وہ کہے گا جو کچھ مال میرے پاس تھا وہ میں نے تیری راہ میں خیرات کر دیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا تو نے اس واسطہ یہ داد و دہش کی تھی کہ لوگ کہیں کہ یہ بہت سخی ہے حکم ہوگا اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ پھر ایک بندہ کو لایا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا اے بندے! تو نے کیا اطاعت کی؟ وہ عرض کرے گا میں نے علم حاصل کیا، علم قرآن سیکھا اور اس کے حاصل کرنے میں بہت محنت کی۔ حق تعالیٰ فرمائینگے تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے علم اسلئے حاصل کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں، اس کو بھی جہنم میں لے جاؤ۔

ریا کاری کا مرض بڑی خاموشی سے انسان کے دل میں اپنی جگہ پکڑتا ہے جس کا ہر شخص کو احساس نہیں ہوتا اور وہ انسان اس مرض کو جو ہلاکت خیز ہے اپنا ہنر سمجھ کر زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ لیکن اہل اللہ کی نظر کا تو کچھ یوں حال ہوتا ہے کہ ’’تیز ہوتی ہے نظر چلتی ہوئی تلوار سے‘‘ اور وہ نہ صرف اس مرض کو پہچان لیتے ہیں بلکہ اس کی دوا بھی کرتے ہیں۔

ریا کاری کی علامات سے متعلق ہم حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہاں نقل کرینگے تا کہ اس مرض کو بہ آسانی شناخت کیا جا سکے اور پھر اس بیماری کا علاج

تعلیمات ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان کرینگے۔

شیر خدا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ریا کار کی تین علامتیں ہیں۔

۱۔خلوت (تنہائی) میں تو کاہل (سست) رہتا ہے اور لوگوں کے سامنے چست وچالاک

۲-جب اس کی تعریف کی جاتی ہے تو عبادت میں بڑھ چڑھ کر عبادت کرتا ہے۔

۳۔تعریف نہ ہونے یا سرزنش (برا بھلا) کرنے پر اپنے عمل کو کم کر دیتا ہے۔

اس ارشاد پاک کی روشنی میں ریا کار کی یہ علامات معلوم ہوئیں کہ اُس کا مقصود لوگوں کی خوشنودی ہوتا ہے جو نمائش سے حاصل ہوتی ہے تو اُس کا عمل بھی وہی ہوگا جہاں نمائش کا موقع ہو یعنی لوگوں کے بیچ اور چونکہ تنہائی میں عمل وہی شخص کرتا ہے جو اپنے مالک وخالق سے جزا کا طالب ہوتا ہے۔ اسلئے ریا کار انسان تنہائی میں سستی دکھاتا ہے۔

دوسری اور تیسری علامت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لوگوں کی جانب سے عبادت بدنی یا مالی پر تعریف کرنے سے عمل میں زیادتی اور تعریف نہ ہونے یا دکھاوا کرنے پر سرزنش ہونے پر عمل میں کمی کرنا بھی ریا کاری ہے اس حکیمانہ قول کی روشنی میں ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنا جائزہ لیں کہ کہیں یہ بیماری ہمارے اندر بھی تو موجود نہیں ہے اور اس سے بچنے کی تدبیر کریں اور اس مرض کا علاج کریں۔

علاج: ریا کے مرض کا علاج اخلاص کے ذریعہ ممکن ہے کیونکہ اخلاص ریا کی ضد ہے ریا میں جہاں یہ خرابی ہوتی ہے کہ ریا کار اپنے نیک عمل سے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہونا چاہیئے بندوں سے تعریف کا طلبگار رہوتا ہے۔اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو ہر قسم کی تعریف و لوگوں میں مقبول ہونے کی آس و امید سے جو اللہ کے غیر سے لگا رکھی ہے خالی کرلے اور بس اپنی

نمازوں، روزہ وحج اور دیگر امور خیر کا منشا ومطلوب حق کی رضا کو بنائے۔ اگر ریا کے جذبے کے ساتھ چاہے کتنا ہی زیادہ عمل کیا جائے وہ وبالِ جان ہے اور اخلاص کے ساتھ کیا ہوا تھوڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تمام اعمال میں اخلاص ہی کا حکم دیا ہے جیسے ارشاد فرمایا۔

[۲۲] وَمَآ اُمِرُوْ ا اِلَّا لِیَعْبُدُوَ اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (البیّنۃ:۵)

(ترجمہ: اور ان کو حکم نہیں دیا گیا ہے مگر اس بات کا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں مخلص ہو کر اُس کے دین میں)۔

اور حدیث پاک میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس کو میں نے اپنے بندہ کے دل میں رکھدیا ہے جو میرا دوست ہے۔ پس اے معاذ! اخلاص کے ساتھ عمل کرنا کہ تھوڑا عمل بھی تیرے لئے کافی ہو جائے"۔ (کیمیائے سعادت)

اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مخلص اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور اخلاص میں اللہ کا بھید ہے اور بھید یا راز دوست کو ہی بتایا جاتا ہے۔

مخلصین کی بڑی شان ہے کہ شیطان جو اولادِ آدم علیہ السلام کا دشمن ہے ہر وقت مختلف طریقوں اور حربوں سے انسان کی گھات میں رہتا ہے لیکن پھر بھی وہ مخلصین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، کیونکہ اخلاص کے سبب ملی قوت سے مخلص پر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ جسکا شیطان نے خود اعتراف کیا جس کی خبر اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں یوں دی ہے

[۲۳] اِلَّا عِبَادَکَ مِنھُمُ الْمُخْلَصِیْنُ (سورہ الحجر۔۴۰)

(ترجمہ: سوائے آپ کے مخلص بندوں کے [میں سب کے بھٹکانے کے درپے رہوں گا])

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیطان کا زور مخلص بندے پر کیوں نہیں چلتا تو اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ اگر آپ کا کوئی پکا دوست ہو جو بڑا مخلص ہو اور اُس کو آپکا کوئی دشمن آپ کے خلاف بہکائے ورغلائے یا آپ کے خلاف اکسائے تو کیا آپ کا وہ مخلص دوست اُس دشمن کی باتوں میں آئے گا۔ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ آپ سے خالص دوستی رکھتا ہے اور اگر وہ اُس دشمن کی باتوں میں آ کر آپ کے خلاف کرے تو پھر وہ مخلص نہیں۔ پس ایسے ہی جو اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں وہ اللہ کے دوست ہوتے ہیں اور شیطان جو اللہ کا دشمن ہے وہ انہیں لاکھ ورغلائے، اکسائے اور حق کے خلاف کرانے کی کوشش کرے وہ اس کی باتوں میں نہیں آتے۔

اخلاص سے متعلق یہ ساری باتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں تا کہ اخلاص کی اہمیت واضح ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بندہ کو چاہیئے کہ وہ ریا کاری کے نقصانات پر غور کرے جس کا ہم نے اس عنوان کے شروع میں ذکر کیا ہے اور ان احادیث مبارکہ میں غور کرے جو ریا کاری کی مذمت اور اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھے کہ نیک اعمال چاہے کتنی ہی محنت و مشقت اُٹھا کر کیوں نہ کئے جائیں ریا ان سارے اعمال کو نابود کر دیتی ہے۔ اور اولیائے کرام جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی مخلص بندے ہیں اُن کے احوال کا مطالعہ کرے جو اخلاص کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان اللہ والوں کا اپنے آپ کو خلوت نشین بنانا اور اپنے آپ کو لوگوں سے دور رکھنا اس وجہ سے تھا کے ان کے اعمالِ صالحہ کی کسی کو خبر نہ ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مراتب وشان کو رفعت بخشی۔ ہم یہاں ایک حکایت نقل کرتے ہیں جس سے پڑھنے والوں کو پتہ چلے کہ اللہ کے مخلص بندوں کا اور ان کی صحبت میں رہ کر اعمالِ خیر کا کیا مرتبہ ہوتا ہے۔

حکایت: حضرت حسن بصریؒ، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرید ہیں وہ ایک مرتبہ اپنے مرید حبیب عجمی کی خانقاہ میں پہنچے وہ اُسوقت نمازِ مغرب کی امامت فرمارہے تھے۔ چونکہ وہ عجمی تھے اسی لئے عربی لہجہ میں نہیں پڑھ رہے تھے۔ تو حضرت حسن بصریؒ نے ان کی اقتدا نہ کر کے تنہا نماز پڑھ لی۔ اس شب کو آپ نے خواب میں دیدارِ الٰہی کیا تو عرض گزار ہوئے کہ مولا آپ کی رضا کس چیز میں ہے تو ارشاد ہوا اے حسن آج ایک موقع تم کو ہماری رضا کے حاصل کرنے کا ملا تھا تم نے اسکو چھوڑ دیا عرض کیا مولا وہ کیا تھا فرمایا اگر تم آج حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تو وہ نماز تمہاری تمام نمازوں کی سردار ہوتی عرض کیا مولا ان کی قراءت درست نہ تھی فرمایا تم نے اُن کے ظاہر کو دیکھا لیکن جو اخلاص ان میں تھا وہ نہ دیکھا جو ہمارے پاس معنی رکھتا ہے۔

مرض ریا کا عملی علاج یہ ہے کہ اپنی عبادت چاہے وہ بدنی ہو جیسے نماز، روزہ یا مالی ہو جیسے صدقات، خیرات یا کوئی خدمت دین ہو یا اپنے مومن بھائی کی حاجت براری یا ان کے ساتھ احسان وحسن سلوک ہو یا رفاہ عام کے کام جیسے مسجدوں خانقاہوں یا مدرسوں کی تعمیر یا کسی بھی قسم کی ان کی خدمت ہو ان تمام امور کو مخفی رکھ کر کیا جائے اور ہرگز لوگوں میں اس کو آشکار نہ کیا جائے کیونکہ جہاں تک عبادت کی بات ہے تو یہ عابد ومعبود کے بیچ کا تعلق ہے جس میں کسی تیسرے کا کوئی دخل نہیں اب جو عبادات اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم ہے جیسے پنجوقتہ فرض نمازیں یا عیدین و جمعہ کی نمازیں یا حج وغیرہ تو یہ کثرت میں وحدت کے جلوہ کا مظہر ہیں اور اسلامی اجتماعیت کی حکمت کے پیش نظر ہے ورنہ تو حکم شریعت یہ ہے کہ جتنی سنتیں ونوافل ہیں ان کا تنہا یا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے اور نفل نمازوں میں سب سے افضل نماز تہجد کو قرار دیا گیا ہے جس کا وقت آدھی رات کے بعد رکھنے میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ اس کا ادا کرنے والا

ریا سے محفوظ رہتا ہے کہ سب سوتے ہیں اور یہ اپنے رب کی جناب میں سربسجود ہوتا ہے اور ایسے عمل سے دل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح زکوٰۃ جو فرض ہے اس کے سوا جتنی خیر خیرات وصدقات نافلہ ہے ان کو ادا کرنے میں فضیلت ان کے چھپا کر دینے میں ہی رکھی گئی ہے۔ لہذا ریا سے بچنے کیلئے تمام نفلی عبادات کو اور نفلی صدقات کو لوگوں سے چھپا کر کیا جائے۔ اور خاص طور پر راہ خدا میں خرچ کئے جانے والے مال کو اس طرح خرچ کیا جائے جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک ہاتھ سے خرچ کرو تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو''۔ اور ان تمام کاموں کے جن کی تفصیل اوپر گزری ادا کرنے سے صرف اپنے رب کی خوشنودی اور رضا مقصود ہو جو کھلی اور چھپی سب باتوں کا جاننے والا ہے۔ اور اپنے آپ کو پارسائی اور نیکی کے چھپانے کا عادی بنائے اور ہمیشہ اپنے نفس کو تنبیہ وتاکید کرتے رہیں کہ اگر ذرہ بھی دکھاوا کرے گا یا کسی نیک عمل سے لوگوں سے تعریف کا طلبگار ہوگا تو ساری نیکیاں اکارت جائینگی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی الگ حصہ میں آئے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر لوگ ہمارے کسی نیک عمل کی تعریف کریں اور کسی نیکی کا تذکرہ کریں تو ان کو ایسا کہنے سے روکے کہ ایسی باتوں کا سننا نفس کو بھلا معلوم ہوتا ہے اور وہ خوشی سے پھولنے لگتا ہے جو اس کی تباہی کا باعث ہے اور اگر روکنا ممکن نہ ہو تو گفتگو کا موضوع تبدیل کردے اور تعریف سن کر اگر نفس کو خوشی ہوتی ہے تو اس کو تنبیہ کرے کہ جو کچھ تجھ کو نیکی کی توفیق ہوئی ہے یہ محض رب تعالیٰ کا فضل ہے اس میں تیرا کیا کمال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو بھلائیوں کی توفیق سے ہم کو محروم بھی کردے کیونکہ وہ مقلب القلوب (دلوں کا پھیرنے والا ہے) اور نیکی اور بھلائی کی توفیق دینے پر اپنے رب کا شکر بجا لائے کہ اُس کا وعدہ ہے کہ شکر کرنے پر زیادتی فرمائیگا۔

تکبر

تکبر کبر سے ہے جس کے معنی ہیں بڑائی۔ تکبر بہت بُری صفت ہے اور کسی بھی بندہ کیلئے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ تکبر کی راہ اختیار کرے کیونکہ تکبر اللہ تعالیٰ کے پاس سخت ناپسندیدہ ہے اور بندہ ہونے کا خاصہ تواضع، انکساری اور سادگی ہے۔ انسان جس کی تخلیق مادہ منویہ سے ہوئی ہے اور جس کا خاتمہ موت اور ٹھکانہ قبر ہو اس کو ہرگز تکبر زیب نہیں دیتا۔ کبر اور بڑائی تو صرف اُس ذات کیلئے روا ہے جو لا فانی ہو اور جس کی عظمت وشان کے کوئی مثل نہ ہو اور وہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کی ہے اور اُس ذات پاک نے اپنے ناموں میں ایک نام متکبر بھی بیان فرمایا ہے۔

[۲۴] هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ (سورہ حشر۔۲۳)

(ترجمہ: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (حقیقی) بادشاہت ہے ہر عیب سے پاک ہے۔)

اور حدیث قدسی میں ہے جس کو خاتم المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ ''تکبر میری چادر ہے جو کوئی اسے اوڑھنا چاہے گا میں اُس کو ذلیل ورسوا کردونگا''۔ (ابن ماجہ، مسلم)

تکبر کہتے ہیں حق کو رد کرنا اور دوسروں سے اپنے کو بہتر اور اچھا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر وادنیٰ ماننا۔ چاہے یہ مال ودولت یا صورت وشکل کی یا رنگ وروپ کی بنا پر ہو یا قوت وطاقت یا اقتدار کی وجہ سے ہو یا علم وہنر اس کی بنیاد ہو یا حسب نسب کی وجہ سے ہو ان تمام باتوں

میں تکبر مذموم ہے۔

شیطان لعین جس کا نام آسمانوں میں عزازیل تھا وہ بڑا عالم تھا اور راندہ درگاہ ہونے سے پہلے فرشتوں کو پڑھایا کرتا تھا اور اُس نے اللہ تعالیٰ کی بڑی عبادت بھی کی تھی لیکن تکبر نے اُس کو برباد کیا حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھ کر سجدے سے انکار کیا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان لعین کے قصہ کو بیان فرمایا ہے تاکہ ہم اس سے عبرت پکڑیں اور شیطان کی راہ کی پیروی نہ کریں اور تکبر سے بچیں کہ اس کا انجام بہت بُرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں شیطان پر جب نوازشیں فرمائیں اور اس کو معلم الملکوت بنادیا تو علم اور کثرت عبادت نے اس میں تکبر پیدا کردیا اور گمان کرنے لگا کہ اُس جیسا کوئی نہیں ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں میں ان کے چرچے ہونے لگے تو حسد کی وجہ سے شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے نفرت ہوگئی اور بدگمان بھی ہوا کہ ان کے پیدا ہونے سے کہیں میری مسند نہ چھن جائے اور کوششیں کرنے لگا کہ کسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کو روکا جائے۔جس کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے کہ اُس نے فرشتوں کو سکھایا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کیوں پیدا کیا جارہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرنے کیلئے فرشتے موجود ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش کی حکمت کو فرشتوں سے بیان فرمایا اور ان کی بزرگی کو فرشتوں پر ثابت فرمایا۔اور شیطان کی تمام کوششوں کے بعد بھی جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی پوری عظمت و شان کے ساتھ فرشتوں میں جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا لیکن شیطان نے انکار کردیا جس کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا۔

[۲۵]وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ق وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ۔۳۴)

(ترجمہ:اور[وہ وقت بھی یاد کریں]جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم[علیہ السلام]کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار اور تکبر کیا اور(نتیجۃً) کافروں میں سے ہوگیا۔)

اس آیت پاک میں یہ بات بتائی گئی کہ اُس نے سجدے سے انکار تکبر کی وجہ سے کیا اور دوسرے مقام پر فرمایا:

[۲۶]قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج (الاعراف۔۱۲)

(ترجمہ:حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں)

یعنی انکارِ سجدہ کی تاویل یہ بیان کی کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں۔جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نہ صرف خود کو حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر سمجھتا تھا بلکہ ان کو حقیر مانتا تھا۔اس واقعہ میں عبرت ہے ایمان والے بندوں کے واسطے کہ تکبر کی صفت کیسے رسوائی کا باعث ہوتی ہے اور متکبر کیسے ذلیل وخوار ہوتا ہے۔

غرور ایسی بدترین صفت ہے کہ یہ جس میں پیدا ہوتی ہے اُس شخص کی عقل پر ایسے خود بینی کے پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنے مقابلہ میں کیڑے اور مکوڑوں کی طرح تصور کرتا ہے۔اب چاہے یہ تکبر علم کی وجہ سے ہو یا دولت، اقتدار، طاقت، حسب نسب یا حسن وجمال اس کا سبب ہو۔اور ایسے متکبر شخص سے لوگوں کی طبیعتیں بھی نفرت کرتی ہیں اور ایسا

شخص اللہ تعالیٰ کے پاس بھی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ اِس بُری صفت سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ طلب فرمائی ہے۔اور یہ ہماری تعلیم کیلئے ہے کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَّفْخَۃِ الْکِبْرِ (الٰہی میں تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔متکبر پراللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں اوراس پرنعمتوں کا گھر یعنی جنت کوحرام کردیا گیا ہے۔مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابرتکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

جب کسی انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے تو اُس شخص کی گفتگو سے یا خاموش رہے تو اکڑ کر چلنے کی عادت سے یا طرزِعمل سے اس بات کا بہ آسانی اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ متکبر و مغرور ہے اور متکبرین کے انداز وطرزِعمل کو اختیار کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ ارشادِربانی ہے۔

[۲۷] وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً ج اِنَّکَ لَن تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولاً o (بنی اسرائیل۔۳۷)

(ترجمہ:اورزمین پراکڑکرمت چل کہ نہ توزمین کو پھاڑسکتا ہےاورنہ لمبائی میں پہاڑوں کوپہنچ سکتا ہے)۔

اورایک مقام پرفرمایا:

[۲۸] وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط(سورہ لقمان۔۱۸)

ترجمہ:(لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پُھلا اورزمین پر اِترا کرنہ چل کسی تکبرکرنے والے شیخی خورکواللہ تعالیٰ پسندنہیں فرماتا)۔

ان دونوں آیات مبارکہ میں اکڑکرچلنے سے سختی سے منع فرمایا جارہا ہے۔

چونکہ اکڑ کر چلنا متکبرین کا شیوہ ہے اور یہ اُن کی رسوائی اور خواری کا باعث بنے گا۔

تکبر کے اقسام: تکبر کے تین اقسام ہیں۔ **پہلی قسم**: تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں تکبر کرنا اور اس کی بندگی سے انکار کرنا اور اپنے سر کو اس کے آگے نہ جھکانا یہ تکبر بھی ہے اور کفر بھی۔ **دوسرے قسم** کا تکبر حضور خاتم المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں تکبر کرنا ہے۔ جس میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنا جیسے کفار قریش میں سے اکثر کفار یا تو عناد کی وجہ سے یا تکبر کی وجہ سے آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت کے متعلق جاننے کے باوجود اور آپ ﷺ کے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اور **تیسری قسم** اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تکبر کرنا ہے۔ جیسے انکو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا یا اپنے کو ان سے بہتر سمجھنا اور ان کو حقیر جاننا اور اسی طرح حق بات کو قبول نہ کرنا (یعنی یہ ثابت ہو جانے کے باوجود کہ یہ بات حق ہے محض یہ سوچ کر کہ اس کو قبول کرنے سے شرمندگی اٹھانی پڑیگی)۔

اللہ تعالیٰ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں تکبر تو صریح کفر ہے اور ایسے متکبرین کا ٹھکانہ دائمی جہنم ہے جب تک کے توبہ نہ کرے اور ایمان نہ لائے۔ البتہ بندوں کے ساتھ تکبر کا درجہ کفر تو نہیں لیکن بدترین عادت ہے اور کسی بھی بندے کیلئے جو عاجز اور محتاج پیدا کیا گیا ہو ہرگز روا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو اپنے سے حقیر سمجھے، اسی طرح کوئی بات حق ثابت ہو جانے پر اُس کا انکار بھی بہت بُری صفت ہے اور حق بات یا سچ بات سے آگاہ کئے جانے پر بجائے قبول کرنے کے آگاہ کرنے والے کی تحقیر کرنا بھی گناہ ہے۔

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان کا یہ بڑا گناہ ہے کہ جب اس سے

کہا جائے خدا سے ڈرو(حق بات بتائی جائے) تو وہ جواب میں کہے عَلَیْکَ بِنَفْسِکَ (تم اپنی خبرلو) (کیمیائے سعادت)

ہر مرض کے کچھ اسباب ہوتے ہیں اسی طرح مرض تکبر کے بھی کچھ اسباب ہیں۔ اسبابِ مرض کا جاننا علاج کیلئے بڑا ضروری اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ہم ان اسباب کو یہاں مختصر ذکر کرینگے جن سے مرض تکبر دل میں پیدا ہوتا ہے اور ان کا علاج بھی ساتھ ہی بیان کرینگے۔

تکبر کا پہلا سبب علم: کوئی شخص جب علم سیکھتا ہے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہو کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں کیونکہ جو میں جانتا ہوں یا جو علم مجھے حاصل ہے دوسرے نہیں جانتے۔اور لوگ اس علم کے بارے میں جو میں جانتا ہوں میرے محتاج ہیں اور اس علم کی وجہ سے وہ لوگوں سے خدمت و تعظیم، تعریف و توصیف، مروت و خاص سلوک کا خواہاں ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اُس کو مقتدا بنائیں اور اسکی تکریم کریں اور کہیں اس کے خلاف پاتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے یا عدم تکریم پر حیران ہو جاتا ہے اور کسی کی اگر وہ دعوت قبول کرے یا کسی سے ملاقات کرے تو سمجھتا ہے کہ اُس نے لوگوں پر احسان کر دیا بلکہ اپنے علم کے سبب تمام مخلوق پر احسان جتاتا ہے اور بڑائی کا احساس ہمیشہ اُس کے دل میں لگا رہتا ہے اور یہ بات دنیوی علم رکھنے والے لوگوں میں بھی موجود ہوتی ہے اور دینی علم رکھنے والوں میں بھی اکثر ایسے لوگوں میں جو علم تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن ان کا تزکیہ نفس نہ ہونے کی وجہ تکبر پایا جاتا ہے اور علم کے ساتھ جب تکبر جمع ہو جاتا ہے تو پھر ایسے علم کا فیض جاتا رہتا ہے بلکہ ایسے عالم کو جاہل کہنا زیادہ درست ہے کیونکہ علم کے ساتھ عاجزی و تواضع نہ ہو تو اُس علم کی مثال ایسے درخت کی سی ہے جو بے پھل اور بے سایہ ہو اور ایسے متکبر شخص کے قلب تک علم کے

برکات نہیں پہنچتے بلکہ صرف دماغ ہی کی حد تک وہ علم محفوظ ہوتا ہے اور ایسے ہی قسم کے لوگوں کے متعلق حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''اے لوگو! تم تکبر کرنے والے عالموں میں شامل نہ ہونا اگر تم ایسا کروگے تو تمہارا علم تمہاری جہالت سے مقابلہ نہیں کرسکے گا''۔

اللہ تعالیٰ کے کامل بندے ہر وقت اپنے آپکو ایسی تمام باتوں سے دور رکھتے ہیں جو تکبر کا خفیف سا بھی سبب بنے۔ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی تو دوسری مرتبہ فرمایا اب کسی اور کو اپنا امام بنالو کیونکہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں تم میں سے بہتر ہوں۔ایسی مقدس ترین ہستیوں کا یہ حال ہے اور آج ہم اپنے آپ کو اس قسم کے کاموں کا نہ صرف اہل سمجھتے ہیں بلکہ حقدار جانتے ہیں اور اگر ان کاموں کا موقع نہ دیا جائے تو لوگوں سے ناراض ہوجاتے ہیں۔

علاج:اس سبب سے پیدا ہونے والے مرض تکبر کا علاج یہ ہے کہ طالب علم کو اور اہل علم کو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جو کچھ بھی علم ان کے پاس ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا اُس پر فضل ہے اور اس علم کو سیکھنے کی توفیق بھی اُس کو اللہ علیم وخبیر نے عطا فرمائی ہے جس پر اُسے اپنے رب کا شکرادا کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت سے کے بندے ایسے ہیں جن کو یہ توفیق نہیں ملی اور اگر توفیق بھی ملے تو اسباب ووسائل نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ کوئی کیسا ہی بڑا علم والا کیوں نہ ہو اُس سے بڑھکر علم والے بندے بھی اس دنیا میں موجود ہیں اور ماضی میں بھی کیسے کیسے اہل علم گزرے ہیں کہ جن کے علم کے سامنے اُس کا علم سمندر میں ایک قطرہ سے بھی کم تر حیثیت رکھتا ہے۔اور اس مرض کا عملی علاج یہ ہے کہ ایسا شخص

معمولی لوگوں کی صحبت اختیار کرے ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے لوگ دعوتیں دیں تو اور وہ دعوتیں منکرات سے خالی ہوں تو اُس میں شرکت کرے اور سادگی اور تواضع کو اپنا شعار بنالے۔

تکبر کا دوسرا سبب عبادت و زھد : عابدین اور زاہدین میں کثرت عبادت اور زہد تکبر کا سبب بنتا ہے جو لوگ بہت زیادہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں یا زہد و پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں میں شیطان یہ بات ڈالتا ہے کہ وہ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھیں اور ایسے لوگ اپنی عبادت اور زہد کی وجہ سے اپنے کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے تعظیم وتکریم کے طلبگار رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی خدمت بجالائیں اور اپنی عبادت گزاری اور زہد کا احسان دوسروں پر جتلاتے ہیں اور اس گمان فاسد میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کی عبادت اور زہد نے ان کو دوسروں سے درجہ میں بلند کردیا ہے اور جو لوگ زیادہ عبادت گزار نہیں ہوتے یا زہد اختیار نہیں کرتے اُن کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ایسا گمان کرنا ان کی حماقت ہوتی ہے کیونکہ کوئی بھی عابد و زاہد نہیں جانتا کہ جو کچھ اُس نے عبادتیں کی ہیں اور زہد اختیار کیا ہے وہ اللہ کی جناب میں مقبول بھی ہوا ہے یا نہیں کیونکہ اس بات کا پتہ تو قیامت کے دن چلیگا اور جس بات سے متعلق قطعی علم نہ ہو اُس پر ناز و فخر اور اُس کی بنیاد پر اپنے کو دوسروں سے بہتر سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

علاج : ایسے مرض میں مبتلا شخص کو چاہیئے کے وہ غور کرے کہ عبادت تو سراپا عجز اور تذلل کا نام ہے کہ اپنی ہستی کو فراموش کر کے ذات حق کے سامنے سر بسجود ہونا انتہائی تواضع ہے اور کثرت عبادت کے بعد بھی اگر کسی عابد میں یہ بات پیدا نہ ہو تو ایسی عبادت کس فائدے کی۔ اور سچے دل سے عبادت کرنے والا بندہ تو منکسر المزاج اور متواضع ہوتا ہے اور یہ بھی غور کرے

کہ شیطان کیسا بڑا عابد تھا اُس کی عبادتوں میں کیئے ہوئے سجدوں کو اگر روئے زمین پر پھیلایا جائے تو ساری زمین سجدوں سے پُر ہو جائے لیکن تکبر نے اُسے ڈبو دیا اور ساری عبادتیں ضائع گئیں اور اسی طرح زہد سے مقصود بھی کسر نفسی اور سرکش نفس کو قابو میں کرنا ہے اور اگر اس سے یہ حاصل نہ ہو تو پھر ایسا زہد کسی کام کا نہیں ہے۔ زہد سے پیدا شدہ تکبر سے زاہدوں کو کیسا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے اس حکایت سے آپکو پتہ چلے گا۔

حکایت :ایک روایت ہے بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا اور ایک فاسق و بدکار! وہ عابد بیٹھا ہوا تھا اور ایک تکڑا ابر کا اس کے سر پر سایہ فگن تھا، اس فاسق کو خیال آیا کہ جاؤں اور جا کر اس عابد کے پاس بیٹھوں شائد حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر بھی رحم فرمائے! جب یہ فاسق اس عابد کے پاس جا کر بیٹھا تو عابد نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ نالائق میرے پاس کیوں بیٹھا ہے اس جیسا نکما بھی کوئی اور ہوگا یہ خیال کر کے اس نے فاسق سے کہا اٹھو اور یہاں سے جاؤ (تمہارا میرے پاس کیا کام) وہ بیچارہ اٹھ کر چلا گیا اور ابر کا وہ تکڑا بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گیا تب اس عہد کے رسول کے پاس وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ اب دونوں از سر نو عمل کریں کہ جو گناہ فاسق نے کیئے تھے وہ میں نے اس کے باعث بخش دیئے اور عابد نے جو عبادت کی تھی اس کے تکبر کے سبب سے برباد کر دی گئی۔ (کیمیائے سعادت)

تکبر کا تیسرا سبب : حسن و جمال اچھی صورت و شکل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت کسی بھی کسب کے بغیر محض اللہ کے فضل سے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اس طرح حسن و جمال کی نعمت سے اگر کوئی محروم ہے تو اس میں اُس شخص کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ یہ اُس کی اقتضا ہے جس کو حکیم و علیم خدا نے ظہور بخشا۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے

فضل سے حسن و جمال عطا فرمایا ہے ان میں بعض لوگ تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کے حصے میں یہ نعمت نہیں آئی ان کو حقیر اور ادنیٰ سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ایسا سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے کیونکہ حسن و جمال کی نعمت ان کو رب تعالیٰ کے فضل سے ملی ہے جس میں ان کی اپنی محنت اور کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر ہوتا بھی تو ایک ایسی چیز پر جو زوال پذیر ہونے والی ہے اور ہر حسن و جمال رعنائیاں ضَعَف و پیرانہ سالی کی جھریوں سے بدلتی ہیں ان پر اترانا اور مغرور ہونا بہت بڑی نادانی ہے اور قیامت کے دن کسی انسان کا حسن و جمال یا خوبصورتی اُس کو اُخروی کامیابی سے ہمکنار نہیں کریگی اور حق تعالیٰ کے حضور میں اکرام واعزاز کا معیار تقویٰ ہوگا۔

[۲۹] اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات۔۱۳)

(ترجمہ: تم میں اللہ تعالیٰ کے پاس اکرام والا وہ ہے جو تقویٰ والا ہے)۔

تو ایسی چیز پر بیجا ناز و تکبر کرنے سے کیا حاصل جو دنیا میں زوال پذیر ہونے والی ہے اور بازارِ آخرت میں جس کا کوئی مول نہ ہو۔

علاج: اگر کوئی شخص حسن و جمال پر متکبر ہو اور یہ مرض اُس کو آدبوچے تو ایسے شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ کتنے خوبصورت چہرے خوبصورتی سے بدصورتی کی طرف اور دنیا کی چمک دمک سے قبر کے اندھیرے کی طرف اُس کی آنکھوں کے سامنے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ کوئی کتنا ہی حسین وجمیل کیوں نہ ہو ڈھلتی عمر کے ساتھ اُس کے حسن کا سورج بھی ڈھل جاتا ہے اور یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ کسی کا خوبصورت ہونا اُس کو ہرگز اپنے رب کا مقرب نہیں بناتا بلکہ کتنے سیاہ چہرے قیامت میں ایسے ہونگے جو سرخرو ہونگے اور حسن و جمال کے پیکر اپنی بداعمالیوں کے سبب ذلیل وخوار کر کے جہنم رسید کیئے جائینگے۔ لہٰذا

عقلمند شخص وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خوبصورتی پر اُس کا شکر بجالائے اور اپنے حسین چہرہ کو اپنے رب کے حضور عجز و نیاز سے خاک آلود کرے کہ یہی اسکے حسن و جمال کی معراج ہوگی اور ہر ایسے کام سے اپنے کو بچائے جو حسین چہروں کے بھی جہنم کی جھلستی آگ میں جانے کا سبب ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنی صورت کے ساتھ سیرت کو بھی سنوارے اور اُس باطنی حسن کو پیدا کرے اور یہ حسن باطنی رزائل سے دل کے آئینے کو ستھرا بنانے سے حاصل ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور دعا کرے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (اے اللہ آپ نے میری صورت تو اچھی بنائی میری سیرت بھی اچھی بنا دیجئے)

تکبر کا چوتھا سبب نسب : اعلیٰ نسبی اور اونچے خاندان سے متعلق لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ان میں کے بعض اپنے نسب اور خاندان کی وجہ سے فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو حقیر جانتے ہیں اور کئی موقعوں پر ان لوگوں کا تکبر اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی تحقیر کرنے اور ان کو ذلیل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ جبکہ اعلیٰ نسبی کے باوجود ان کا کردار بالکل اپنے اسلاف کے کردار کے مغائر ہوتا ہے اور اپنے جن اسلاف سے نسبی تعلق پر ان کو فخر ہوتا ہے ان کے مقابلہ میں ان کا کردار ذرہ برابر بھی نہیں ہوتا لیکن چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی بھی ایسی ہی تعظیم و توقیر بجالائیں جیسی کہ ان کے بزرگوں کی بجالائی جاتی تھی اور اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی تعظیم و توقیر میں کمی کر دے تو اُس کو نہ صرف حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ اُس کو ذلیل و بے عزت کر دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے "جس کو عمل نے پیچھے کیا اُس کو نسب آگے نہیں کر سکتا"۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ نسبی کی اہمیت ضرور ہے لیکن اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعہ غرور و تکبر میں مبتلا ہو جائے بلکہ جن کو بفضل مولا یہ نعمت عظمیٰ ملی ہے ان

میں تو خصوصی نسب کے خصوصی کمالات ہونے چاہیئے اور عوام الناس سے ہٹ کر ان میں اعلیٰ اوصاف و کردار ہونے چاہیئے کہ انکی شخصیت اپنے اسلاف کے کردار کا نمونہ بن جائے اور لوگ ان کی شخصیتوں میں ان کے اسلاف کا جلوہ دیکھا کریں اور ان کے نقشِ قدم کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

علاج : اعلیٰ نسبی کے مرض میں مبتلا لوگوں کو چاہیئے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے واقعہ سے عبرت حاصل کریں کہ کیسے ایک اولوالعزم رسول خدا کا بیٹا بُری صحبت اور بداعمالیوں کی وجہ سے مبتلائے عذاب کیا گیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے جب اس کی نجات کی دعا فرمائی تو حق تعالیٰ نے فرمایا:

[۳۰] اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ (هود۔۴۶)

(ترجمہ: اے نوح وہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے)

اس کے علاوہ یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ اعلیٰ نسب میں سے ہونا کوئی کسبی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک وہبی چیز ہے کہ جس میں اُس بندے کا کوئی دخل نہیں اور اس پر بندہ کو اپنے رب کا شکر بجالانا چاہیئے کہ محض رب تعالیٰ کے فضل سے اُسے یہ نعمت ملی نہ کہ تکبر کر کے مبتلا گناہ ہونا چاہیئے۔اس کائینات رنگ و بُو میں اگر کسی نسب کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ہے اور ان کی نسل پاک سب سے زیادہ اعلیٰ و بزرگ تر ہے اور جو ہستیاں اس نسل پاک سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان مقدس ہستیوں میں تواضع وانکساری کس درجہ تھی اس حکایت سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

حکایت: حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ شہید کربلا نواسہ رسول لخت جگر بتول

حضرت سیدنا امام حسینؓ کے پڑپوترے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس موقع پر اپنے غلاموں سے مخاطب ہو کر فرمایا آؤ آج ہم سب مل کر ایک عہد و پیمان کریں کہ قیامت کے دن جو ہم میں سب سے پہلے بخشا جائے گا وہ اپنے دوسرے ساتھی کی شفاعت کرے گا۔ یہ بات سن کر آپ کے سارے غلام رونے لگے اور کہنے لگے اے رسول اللہ کے نواسے ولخت جگر آپ کو کسی کی شفاعت کی کیا حاجت، آپؐ کے جَدِّ کریم تو خود تمام مخلوق کے شفیع ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میں اپنے رب تعالیٰ سے شرم کرتا ہوں اور روز قیامت اپنے جد کریم کے روبرو کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

اللہ اللہ عزیز و ذرا غور تو کرو کہ ایسی ذات مقدس کا جب یہ عالم ہے اور ان کی تواضع کی یہ کیفیت ہے تو آپ کی اور ہماری کیا حیثیت۔ نسب کے سبب پیدا ہونے والے تکبر کے مرض سے نجات کیلئے بزرگوں نے یہ طریقہ بھی اختیار فرمایا تھا کہ وہ اپنے تعارف کے موقع پر بغیر کسی کے دریافت کئے اپنا نسب ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ اور اپنے ناموں وغیرہ میں بھی اپنے نسب کے اظہار سے بچتے تھے کہ لوگ ان کی تعظیم میں نہ لگ جائیں اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے بڑی ہی تواضع اور انکساری سے ملتے تھے اور معمولی لباس اختیار فرماتے تھے اور غربا و مساکین کے ساتھ میل ملاپ رکھتے تھے تا کہ تکبر دل میں جگہ نہ پکڑے۔

تکبر کا پانچواں سبب تونگری: کثرت مال بھی متمول لوگوں میں تکبر کا مرض پیدا کرتا ہے اور اس تکبر میں مبتلا انسان مالی طور پر کمزور یا غریب لوگوں کو حقیر جانتا ہے اور ان سے بات کرنا تو در کنار ان کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا اور کبھی بحالت مجبوری بات کر بھی لی تو احسان سمجھتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ مال و دولت اس کے ہر مسئلے کے حل کیلئے کافی ہے اور

انسانوں کی اُس کے یہاں کوئی قدر نہیں ہوتی بالخصوص غریب اور نادار لوگ اس کی نظر میں ادنیٰ اور حقیر ہوتے ہیں اور بعض مال و دولت کے نشے میں چور اور فخر میں مبتلا لوگ تو اپنے ایسے رشتہ دار جو مسکین و غریب ہوں ان کے ساتھ تعلق رکھنا تک گوارا نہیں کرتے کہ ان سے اپنے تعلق کا ظاہر ہونا کہیں دولت مندوں کے بیچ انکی بے عزتی کا باعث نہ ہو جائے کہ اس کے فلاں رشتے دار نادار اور مسکین ہیں۔

عــــلاج: اس سبب سے تکبر میں مبتلا لوگوں کو جاننا چاہیئے کہ مال و دولت جو اُس کے نزدیک انسانوں سے زیادہ اہم ہیں وہ اُس کو چھوڑنے والا ہے اور موت ہر دولت مند کو بے اختیار و بے اقتدار کر دیتی ہے اور مال و دولت ایسی فانی شئے ہے جو یا تو اُسکو چھوڑ دیگی یا وہ خود اُس کو چھوڑ یگا۔ اور اس پر فریفتہ ہو کر اُس پر ناز و فخر کرنا اور اس کی کثرت پر فخر کرنا بہت بڑی حماقت ہے اور یہ دولت جس کے سبب وہ تکبر میں مبتلا ہے نہ اس کو موت سے بچا سکتی ہے نہ عذاب الٰہی سے۔ اِلَّا یہ کہ وہ اپنی دولت کو اللہ کی راہ میں یا اللہ کے بندوں پر خرچ کرے پھر ایسی ناپائیدار و فانی شئے پر اِترانا اور تکبر کرنا ہرگز عقلمندی نہیں ہو سکتی۔ دولت مندوں اور صاحب اقتدار متکبرین کا کیسا عبرتناک انجام ہوتا ہے یہ دیکھنا ہو تو فرعون، شداد، ہامان جیسے متکبرین کا تذکرہ جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ میں موجود ہے اُس کا مطالعہ کرے تاکہ ان کے راستے اور انجام سے بچ سکے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اگر صاحب مال و ثروت بنایا ہے تو اُس مال کو راہ حق میں خرچ کرے اور اپنے اَعِزّہ و اقارب کو انفاق میں ترجیح دے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرے۔

حسد

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلیئے جو کچھ مقدر کیا ہے اس میں اُسکی عظیم حکمت اور مشیت کار فرما ہے جس کا جو مقتضیٰ تھا اُس علیم وخبیر نے اُس کو عطا فرمایا۔ اور مخلوق میں اتنی قوت نہیں کہ وہ ان تمام حکمتوں کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اس کائینات میں جس کو جو ملا اُس کیلیئے بس وہی بہتر ہے کیونکہ یہ ایسے قادر وحکیم کی تقسیم ہے جس میں ایک ذرہ کے نا قابل تقسیم حصے کے برابر بھی کمی وزیادتی نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ اُس خالق کُلُ نے بخشا وہ اُس کی عین نوازش وکرم ہے۔ اگر کسی کو ڈھیروں مال ودولت سے نوازا ہے تو یہ بھی اُس کا کرم ہے اور اگر کوئی اس سے محروم ہے تو یہ بھی اس کی حکمت ہے اور مخلوقات میں سے کس کی مجال ہے کہ وہ اُس سے سوال کر سکے کہ فلاں کو وہ کیوں دیا گیا یا اس کو جو دیا گیا ہے مجھے کیوں نہ ملا لیکن جن طبیعتوں میں حسد سرایت کر جاتا ہے وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اصل میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ یہ بات نہیں جانتے کہ اپنے جذبہ حسد کی وجہ سے وہ کتنے بڑے جرم میں مبتلا ہو رہے ہیں دراصل یہ حسد کی بیماری تقدیر کے بارے میں اسلامی عقیدہ میں ٹھوکر کھانے سے پیدا ہوتی ہے جو بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ تقدیر کا ہر اچھا بُرا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور انسان کا سعید وشقی، دولت مند وفقیر ہونا' خوبصورت و بدصورت ہونا صاحب اقتدار و محکوم ہونا غرض کے دنیا کا ہر معاملہ تقدیر کے تابع ہے اور تقدیر اپنے رب کے حکم کے تحت ہے تو بس ایسے بندے کا دل توّکل سے لبریز ہو جائیگا اور حسد سے پاک۔ حسد دل کی بدترین بیماری ہے جو حاسد کی نیکیوں کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور حسد کی آگ کی تپش میں حاسد جلتا رہتا ہے اور

اپنی لگائی ہوئی آگ میں خود ہی مبتلا الم رہتا ہے۔ حسد کی مذمت اس کے نقصانات اور اس مہلک بیماری کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے حسد کے بارے میں کچھ وضاحت کیجاتی ہے کہ حسد کیا ہے۔

حضرت امام غزالی نے حسد کی تعریف یوں بیان کی ہے۔ ''حسد یہ ہے کہ کسی کی خوبی اور نعمت پسند نہ آئے اور حاسد اس شخص سے اُس کی خوبی اور نعمت کا زوال چاہے''۔ (کیمیائے سعادت) تو معلوم ہوا کہ حسد یہ ہے کسی کی خوبی پسند نہ آئے اور حاسد چاہے کے محسود سے وہ خوبی چھن جائے اور اس میں جو شخص ایک قدم اور آگے بڑھ جاتا ہے وہ محسود سے نعمت کے چھن جانے اور اُسے خود پانے کی آرزو کرتا ہے اور یہ دونوں طرح کا حسد حرام اور نہایت ہی بُرا ہے اور حسد دشمنی اور پھر خون خرابے کی حد تک لے جاتا ہے البتہ انسان کسی کے پاس کوئی خوبی یا نعمت دیکھے اور بغیر اس کے کہ اُس نعمت کے زوال کی آرزو کرے یا اُس شخص سے چھین کے اپنے لئے حاصل ہونے کی تمنا کرے چاہے کہ اُس کو بھی ایسی ہی نعمت یا خوبی حاصل ہو تو اُس کو رشک یا غبطہ کہتے ہیں اور ایسی آرزو اور تمنا حسد کی طرح بُری نہیں ہے بلکہ دنیا میں مسابقت اور آگے بڑھنے کیلئے یہ جذبہ بڑا کام آتا ہے لیکن یہ جذبہ دنیوی نعمتوں اور مادی چیزوں میں رکھنے کے بجائے اسے اُخروی نعمتوں کا، دین کے اُمورِ خیر کے حصول کی آرزو اور تمنا کیلئے پیدا ہو تو اچھا ہے بلکہ دینی اُمور جیسے علم، تقویٰ زہد وغیرہ میں رشک کرنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا شریعت میں پسندیدہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جنت کے حصول میں مسابقت کا حکم دیا [۳۰]سَابِقُوْآ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ للذين اٰمنو بالله و رسلهٖ ط (سورہ الحدید۔۲۱)

(ترجمہ: اے لوگوتم اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف تیز لپکو جس کی وسعت آسمانوں اورزمین کی وسعت لے برابر ہے جوان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جواللہ اوراس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔حدیث شریف میں دوطرح کے رشک کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ایک معلم قرآن پر رشک کو دوسرے انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے پر۔احادیث شریف میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قابلِ رشک دوآدمی ہیں ایک وہ جس کواللہ تعالیٰ نے قرآن کاعلم دیا اور وہ اسے صبح وشام لوگوں میں عام کرے۔دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت عطافرمائی اور وہ اُسے صبح وشام راہ خدا میں خرچ کر رہا ہو۔(بخاری شریف، ابن ماجہ، ترمذی) حسد اس درجہ موذی مرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حاسد کے حسد سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کی تعلیم بذریعہ قرآن سورہ فلق میں دی ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسد کے کتنے گمبیھر نقصانات ہیں اورحق بات یہ ہے کہ حسد کرنے سے بچنا اور حاسدین کے شر سے محفوظ رہنا یہ محض رب کے فضل سے ممکن ہے ورنہ بڑے بڑے لوگ حسد میں مبتلا رہتے ہیں جوحسد میں مبتلا ہوتے ہین اُن کواگر اس بری عادت سے آگاہ کیا جائے توان میں نہ اتنی حق پسندی ہوتی ہے کہ اُس کوقبول کریں اورنہ اس سے باز آتے ہیں اورفضول حسد کی وجہ سے اپنی ساری نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اورحسد کی آگ میں جلنے کی تکلیف الگ اُٹھاتے ہیں۔حسد کے بدترین خصلت ہونے کا اندازہ آپ اس بات سے لگایئے کہ سورہ فلق جس میں حاسدین کے حسد سے پناہ مانگنے کی تاکید اورتعلیم کلام الٰہی میں آئی ہے۔اُس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حسد سے بڑھ کرکوئی خصلت بری نہیں اگر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سورہ فلق کواس پر ختم فرماتے۔

اول گناہ جو آسمانوں میں سرزد ہوا وہ حسد تھا جو ابلیس نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے کیا تھا۔حضرت آدم علیہ السلام کی خوبیاں اور اللہ تعالیٰ کی خاص نوازشیں جو ان پر تھی ان کو دیکھ کر اس کو حضرت آدم علیہ السلام سے حسد ہو گیا اور تکبر تو اس میں تھا ہی جس کے سبب اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے سے انکار کیا اور راندہ درگاہ ہوا۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کے حسد شیطانی صفت ہے اور یہ جس کسی میں پیدا ہوتی ہے وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے اور حسد اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتا ہے اور مرضِ حسد روحانی ترقی کیلئے بیڑی کی طرح ہے جو آگے بڑھنے سے روکے رکھتی ہے اور حاسد صرف اور صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور اس سے دوسروں کا کچھ نہیں بگڑتا۔رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشادِ پاک میں کس پیارے انداز سے حسد کرنے کے نقصان کو بیان فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اَلْحَسَدُ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَاتَاكُلُ النَّارَ الْحَطَب** (ابن ماجہ باب الحسد) (ترجمہ) حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔یعنی جیسے آگ کا کام ہے کہ لکڑی جلانا اسی طرح حسد کا کام ہے نیکیوں کو برباد کر دینا اللہ کی پناہ ایسے مرض سے کہ جس کا ضرر ایسا خطرناک ہو۔مرضِ حسد کا سبب دنیا کی شدید محبت ہے جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ ضرور حسد کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔کیونکہ دنیا کی محبتِ شدید اُس کے حصول کیلئے اور اُس کو جمع کر کے رکھنے پر اُکساتی ہے اور دنیا کا عاشق جب اس کے جمع کرنے یا اس کو پانے کے در پے ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں میں سے ان بندوں کو دیکھتا ہے جن کو دنیا سے کچھ حصہ ملا ہے جو اس کے پاس نہیں ہے یا دنیا کی نعمتیں مال ومتاع عزت وشہرت یا قوت واقتدار والا کسی کو پاتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو یا ان کے بہ نسبت کم ہو تو ان بندوں سے اُس کو دل میں جلن اور

تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے اور ایک آگ اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے جو ہمیشہ دہکتی رہتی ہے'' یہ آگ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوتی کہ جو دکھائی دے بلکہ یہ آگ دل میں سلگتی رہتی ہے جو نہ صرف حاسد کو ہمیشہ بے چین و بے قرار رکھتی ہے بلکہ اس کی نیکیوں کو جلا کر ختم کر ڈالتی ہے۔اور حاسد محسود سے گلہ وشکوہ کا اظہار اکثر کرتا رہتا ہے۔یا اُس کے عیوب اور برائیاں بیان کرتا پھرتا ہے اور اگر ایسا نہ بھی کرے تو ہمیشہ غم زدہ رہتا ہے اور اپنے میں کڑھتا رہتا ہے۔

حسد سے ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے نہیں دیتا جیسا کہ مکہ اور طائف وغیرہ کے بہت سے کفار نے صرف حسد کی وجہ سے جو ان کو خاتم النبیین سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔

[۱۳] وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف ۳۱)

ترجمہ: (اور کہنے لگے یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی (یعنی کسی سردار اور مالدار) پر کیوں نہیں اتارا گیا)

ایک مرتبہ ابو جہل سے جو دشمن رسول اور کفار کا سردار تھا پوچھا گیا کہ کیوں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وثبوت کی واضح نشانیوں کو دیکھنے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا تو اُس نے جو جواب دیا اس سے صاف اُس کے حسد کا پتہ چلتا ہے اُس نے کہا'' اللہ نے اُنہیں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نبی بنایا مجھے کیوں نہ بنایا'' حسد کی بیماری اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے کہ حاسد اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر جو اس نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے اعتراض کا مجرم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کمالِ حکمت اور مشیت اس کی عظیم مصلحت وعطا پر

ناراض رہتا ہےاور یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے
جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کواوراُس کے رسول نے اپنی اُمت کواس بات کاحکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب سے اپنے مومن بھائیوں کے دل میں کسی بھی طرح کی کمی یا تنگی کے پیدا ہونے سے بچنے کی توفیق طلب کریں۔جیسا کہ اس نے فرمایا:

[۳۲] وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ (سورہ حشر۔۱۰) ترجمہ:اوروہ لوگ بھی جواُن (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں :اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ اے ہمارے رب! بیشک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

دورِحاضر میں ہم بکثرت لوگوں کو حسد کے مرض میں مبتلا پائینگے اور حسد میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگے ہوئے ہیں لوگ جب کسی کے پاس مال و دولت دیکھتے ہیں یا شہرت وعزت یا مرتبہ یا اسی طرح علم وفضل یا کسی منصب پر فائز پاتے ہیں تو ان باتوں میں حسد کرتے ہیں اور حسد کے مارے ان کی برائیاں اور عیوب کا دوسروں سے اظہار کرتے پھرتے ہیں یا کردار کشی کرنے تک سے نہیں چونکتے تا کہ محسود کو نیچا دکھا سکیں۔اور خاص طور پر ہمارے ماحول میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ کسی نے نیا گھر تعمیر کیا یا کسی کے گھر شادی ہوئی یا اُس کو کچھ ترقی نصیب ہوئی تو رشتہ داروں پڑوسیوں یا ملنے جلنے والوں میں وہ لوگ جو حاسد مزاج ہوتے ہیں وہ نہ صرف ایسے موقعوں پر حسد کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتے ہیں بلکہ یہ تک

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے لوگ کچھ خرابی وخلل پیدا کرتے ہیں یا لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور بعض تو اس درجہ گر جاتے ہیں کہ کسی بھی طرح لوگوں کے خوشی کے کاموں میں عملی طور پر رکاوٹ پیدا کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں بیسیوں مثالیں اس طرح کی حرکتوں کی ہم کونظر آتی ہیں۔

حسد کرنے کے نقصانات :۔حسد کے دینی اور دنیوی بہت سارے نقصانات ہیں حسد کا دینی نقصان تو یہ ہے کہ حسد کرنے والا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا مرتکب بنتا ہے اور اپنی ساری نیکیاں بوجہ حسد ضائع کر بیٹھتا ہے اور آخرت کی بربادی مول لیتا ہے۔ حاسد کو روحانی میدان میں ترقی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ حسد کی بیڑی روح کو پرواز سے روک دیتی ہے۔

حسد سے دنیوی نقصانات بھی بہت ہیں جیسے حاسد ہمیشہ حسد کی آگ جو اس کے دل میں جل رہی ہوتی ہے حیران و پریشان رہتا ہے اور محسود کو نقصان میں مبتلا کرنے کیلئے اپنا مالی و دیگر نقصان کرتا رہتا ہے اور حسد سے آپسی بھائی چارہ اور رشتہ داریاں خراب ہوتی ہیں نفرت اور دشمنیاں بڑھتی ہیں جو دین اور دنیا دونوں کی خرابی کا باعث ہیں۔

حسد کا مرض مرد یا عورت کسی کو بھی لاحق ہوسکتا ہے لیکن دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ اس مرض کی شکار زیادہ تر عورتیں ہوتی ہیں اس کی ایک بڑی وجہ ان کی طبعی طور پر کپڑے اور زیورات کی طرف میلان ہے جیسا کے حدیث شریف میں بیان ہوا ہے کہ ''عورتیں اپنے کپڑے اور زیور کی محبت کی وجہ سے جہنم میں جائینگی''۔ کیونکہ ان چیزوں کی شدید محبت دل میں ان کے حصول کا جذبہ جس کو حرص کہتے ہیں پیدا کرتی ہے اور جب یہ چیزیں حاصل نہیں ہو پاتیں تو

جن کو میسر ہے ان کو دیکھ کر طبیعت ان سے حسد کرنے لگتی ہے بلکہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اپنی کپڑوں اور زیورات کی خواہش کی تکمیل کیلئے کئی عورتیں اپنے شوہروں کو مجبور کرتی ہیں جب کہ ان مَردوں کی اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ وہ ان کے خواہشات کی تکمیل کریں تو اس بات کو لے کر شوہر اور بیوی میں جھگڑے ہوتے ہیں جن سے بچنے کیلئے شوہر ناجائز طریقوں سے مال کما کر ان کی خواہشات کو پورا کرتا ہے یا ان سے جھگڑتا ہے اور یہ دونوں باتیں یعنی جھگڑا یا ناجائز مال سے خواہشات کی تکمیل ہرگز اچھی بات نہیں ہے کہ انسان ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حسد دل کی رذیل ترین بیماریوں میں سے ہے جو انسان کے دین اور دنیا دونوں کو برباد کر دیتی ہے اور اس سے بچنا اور اگر اس مرض میں دل مبتلا ہو تو اُس کا علاج کرنا بے حد ضروری ہے۔ اب ہم اس مہلک مرض کا علاج بیان کرتے ہیں۔

علاج: ۔حسد کی بیماری کا علاج علم اور عمل دونوں طرح سے ضروری ہے اس مرض کا علمی علاج تو یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ غور کرے کہ کہیں وہ کسی سے انجانے طور پر حسد میں تو مبتلا نہیں ہو گیا ہے کیونکہ یہ مرض بڑی خاموشی سے قلب میں داخل ہو کر بڑی تیزی سے سارے دل کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ اور اس کا علاج اُس وقت ممکن ہے کہ جب اس کی پہچان ہو کیونکہ کئی حسد کے مریض اس کو مرض ہی نہیں سمجھتے اس لئے علاج کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے جبکہ مرض کے علاج یا دوا کی تجویز کیلئے سب سے پہلے مرض کی پہچان ضروری ہے۔ لہذا ہم نے کسی کو دیکھا کہ اُس کو مال و دولت میں اضافہ ہوا یا ترقی ہوئی اور اس پر ہم کو خوشی کے بجائے افسوس ہو یا کسی کو عزت و شہرت ملنے یا مرتبہ و منصب حاصل ہونے پر ہم نے دل میں ایک

آ گ اور غم محسوس کیا اور دیگر باتوں پر بھی اسی سے قیاس کرلیں تو سمجھ لیں کہ مرض حسد سے ہم متاثر ہوئے ہیں اور فوری یہ بات دل مین بٹھائیں کہ اس قسم کا جذبہ حسد کہلاتا ہے اور حسد بہت موذی اور حسد دل کا بہت موذی مرض ہے دل کا مرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سخت نا پسندیدہ ہے۔اور یہ بھی غور کریں کہ حسد سے محسود کا کچھ نقصان نہیں ہوتا الٹا حاسد کی نیکیاں اس سے تباہ ہونگی اور حسد کی آ گ مین جلنے کی تکلیف مصیبت الگ۔اور یہ بھی ذہن نشین کریں کے جس چیز کے بارے میں حسد کیا جارہا ہے وہ چیز کا حصول بھی ممکن نہیں تو پھر بیجا کڑھنے اور جلنے سے کیا حاصل۔

اور یہ بات دل میں بٹھائے کہ حسد کرنا اپنے پروردگار کی تقسیم جو اُس نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے اُس پر اعتراض کرنا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور ایک مسلمان کا یہ ایقان ہوتا ہے کہ جس کو جو ملا وہ مقدر کی بات ہے حسن و جمال' مال و دولت' عزت وشہرت' طاقت و اقتدار' علم وعقل یہ سب چیزیں اس کائینات کی تخلیق سے ہزاروں سال پہلے مقدر ہوچکی تھیں اب صرف ظہور میں آرہی ہیں۔اور یہ تقسیم اُس ذات پاک کی ہے جو ماضی' حال' مستقبل سب کا یکساں جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے اور حسد اس کے جناب میں گستاخی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ''آدمی اُس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا حصہ جو دنیا میں اللہ نے اُس کیلئے مقدر کیا ہے اُس کو حاصل نہ کرلے''۔تو پھر حسد کر کے کسی سے زوال نعمت چاہنا بیجا اور عبث ہے اور ایسا کوئی احمق ہی کرسکتا ہے۔اور چاہیئے کہ اپنے کو تقدیر کی موافقت پر راضی بنائے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ کائینات کی تخلیق سے ستر(۷۰) ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے تقدیر مقرر فرمادی تو پھر اُس کی موافقت اور اُس پر راضی رہنا ہی عقلمندی ہے۔ قطب

الاقطاب سردار اولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے اپنے مواعظہ حسنہ میں بار بار تقدیر کی موافقت کرنے یعنی جو کچھ اس عالم میں بندے کی حیاتِ ظاہری میں واقع ہو رہا ہے اُس پر اعتراض کرنے سے بچنے اور ہر حال میں اپنے مولا سے راضی رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔اور ارشادفرماتے ہیں کہ تقدیر کی موافقت ہی نے عبدالقادر کو قادر کے قریب کیا ہے (الفتح الربانی) اور چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے احوال کا مطالعہ کرے کہ اپنی زندگیوں میں انہوں نے ہر حال میں کیسے کاتبِ تقدیر اللہ رب العزت سے راضی رہے اور ان محبوبین نے بلاؤں کے نزول پر اور مخلوقات کی ایذاؤں پر کیسے صبر فرمایا۔

اس مرض کا عملی علاج یہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی خوبی یا ترقی و بڑائی دیکھ کر ہم کو تکلیف ہو اور اگر حسد اس بات کا ہم سے مطالبہ کرے کہ ہم اس کی بُرائی یا مذمت کریں تو ہم کو چاہیئے کے ہم اُس کی تعریف کریں اور اچھائی کے ساتھ اس کا ذکر کریں یہ کام ذرا مشکل ضرور ہے لیکن کوشش کرنے سے آسان ہو جائے گا اور اگر ہم غور کریں تو حسد کی وجہ سے جو دنیوی تکلیف اور اُخروی عذاب ہوگا اُس سے تو یہ کام آسان ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کی تعریف کی جائے جس سے ہم کو حسد ہے۔

اگر جذبۂ حسد اس بات کا داعی ہو کہ محسود کو نقصان پہنچایا جائے تو چاہیئے کہ محسود کی مدد کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر حسد کی وجہ سے دل چاہے کہ محسود سے نہ ملے تو اس کو ملنے پر اور ساتھ بیٹھنے پر مجبور کیا جائے۔اور اگر حسد کی وجہ سے کسی سے متعلق دل میں تنگی پائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو جس سے ہم کو حسد ہے دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمائے اور ہم کو حسد کرنے سے محفوظ فرمائے اور اس طرح کرنا کڑوی دوا کھانے سے بھی زیادہ

ناپسندیدہ ضرور ہے لیکن مرض کے علاج کیلئے دوا کی تلخی تو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ صحت یاب ہونا کیسے ممکن ہوسکتا ہے اور اگر دوا کی تلخی کی وجہ سے اُس کو ترک کیا جائے تو پھر مرض لاعلاج ہوکر ہلاکت کی طرف پہنچاتا ہے۔

حکایت: ایک بزرگ تھے ان کے ایک مرید نے ایک مرتبہ ان کو خط لکھا کہ وہ مرض حسد میں مبتلا ہوگیا ہے اور ان بزرگ سے اس بات کی گزارش کی کہ وہ اُسے اس مرض کی دوا بتائیں بزرگ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ جس سے تم کو حسد ہے اُس کی تم تعریف کیا کرو اور ہمیشہ اس کا ذکر خیر کے ساتھ کرو اور یہ بھی نصیحت فرمائی کہ محسود کو تحفے تحائف بھی بھیجا کرو مرید صادق تھا بزرگ کی بات پر عمل پیرا ہوا۔ کچھ دن بعد اُسی مرید کا خط آیا کہ آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کی بدولت جس سے مجھے حسد تھا اب اُس سے محبت ہوگئی ہے۔

اور چاہئے کے بندہ اپنے کو مجاہدوں کا عادی بنائے کیونکہ مجاہدوں کی عادت حسد سے باز رکھتی ہے۔ مجاہدات جیسے نفل روزے، شب باشی وذکر و شغل طبیعت پر شاق ہوتے ہیں لیکن رذائل سے انسان کو نجات دیتے ہیں۔

غصہ

غصہ کو عربی زبان میں غضب کہتے ہیں اور غضب کا معنی ہے انتقام کیلئے دل کے خون میں جوش آ کر گردن کی رگیں پھول جانا اور آنکھیں سرخ ہو جانا گویا کہ بدن میں ایک آگ بھڑک جانا۔ انسان کیلئے جب کوئی بات انتہائی ناپسندیدہ ہو جاتی ہے اور قوت برداشت باقی نہیں رہتی تو اس کیفیت اور حالت کو غصہ کہتے ہیں۔ ناپسندیدہ بات پر غصہ کرنا ایک جاندار کا فطری ردعمل ہے۔ اور یہ استعداد خالق کل نے ہر جاندار میں رکھی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ غصہ انسان کی قوت مدافعت کیلئے لازمی ہے اور اپنے سے ناپسندیدہ چیز کو دفع کرنے کیلئے یہی قوت مدد دیتی ہے۔ غصہ انسان کیلئے ہتھیار کی طرح ہے جو اس سے مضرت اور نقصان کو دور کرتا ہے غصہ مطلقاً برا نہیں ہے البتہ اس میں افراط و تفریط سے بچنا لازمی ہے۔ تعلیمات نبویؐ میں جو غصہ سے منع کیا گیا ہے تو اس سے مراد غصہ میں افراط ہے ورنہ تو خود کئی احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرمانا ثابت ہے۔ اگر مطلقاً غصہ کرنا برا ہوتا تو پھر وہ ذات پاک جو خود سب سے زیادہ کامل و اتم ہو وہ ہرگز غصہ نہ فرماتے۔

غصہ میں افراط یہ ہے کہ جائز و حق بات کے بجائے بے جا غصہ کرنا۔ غصہ اس شدت سے کرنا کہ عقل پر غالب آ جانے اور اس بات کا ہوش نہ رہے کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔ یا غصہ کے اظہار کرنے میں حد سے تجاوز کرنا، فحش کلامی یا مار پیٹ پر اتر آنا وغیرہ۔ اگر کوئی ناجائز بات پر یا ظلم و زیادتی پر بھی کسی کو غصہ نہ آئے تو یہ بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ غیر شرعی عمل یا ناجائز بات کو جب تک انسان برا نہیں سمجھے گا یا ظلم و زیادتی پر اُسے غصہ نہ آئے گا تو برائی کو روکنے یا اس کی اصلاح کرنے کی وہ ہرگز کوشش نہیں کرے گا۔ البتہ اپنے نفس کے

بارے میں کسی بات کی نا گواری کو درگزر کرنا یا صبر کرنا اور معاف کردینا یہ تو اللہ کے محبوب بندوں کی صفت ہے۔اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایسے ہی بندوں کے متعلق فرمایا ہے ''وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْضَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ''(ال عمران:۱۳۴)(وہ غصہ کو پی جاتے ہیں اورلوگوں کو معاف کر دیتے ہیں)اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت پاک بھی یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس و ذات کیلئے کبھی غصہ نہیں فرمایا البتہ کوئی حدود شریعت کو پامال کرتا یا خلاف شریعت کوئی کام کرتا تو آپ اُس پر ناراض ہوجاتے۔ اوراگر آپ کسی سے ناراض ہوتے تو اُس سے منہ پھیر لیتے یا الطفات میں کمی فرمادیتے اس کو نہ برا بھلا کہتے اور نہ ترش روئی اختیار فرماتے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ ہمیشہ غصہ کرنے سے بچیں کیونکہ بے جا غصہ کرنے کی عادت سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے غصے سے محفوظ رکھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''تو غصہ میں نہ آئے''اور ایک صحابی کے یہ عرض کرنے پر کہ آپ اُن کو ایک مختصر سا عمل تعلیم فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''قصداً غصہ نہ کرنا'' ان کے کئی مرتبہ یہی عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہی فرمایا۔

غصہ کا نقصان یہ بھی ہے کہ کئی مرتبہ آدمی غصہ میں کچھ بھی بکنے لگتا ہے اسی بات کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ ایمان کو ایسے بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو بگاڑ دیتا ہے۔اور غصہ کو ضبط کرنے کی ترغیب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''بندہ جو گھونٹ پیتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں اللہ تعالیٰ اسکے دل کو ایمان سے بھردیگا۔''(کیمیائے سعادت) حدیث پاک میں ہے کہ'' آدمی کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ لوگ

ہیں کہ دیر سے غصہ میں آتے ہیں اور دیر میں راضی ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جو جلد غصہ میں آتے ہیں اور جلد راضی ہوتے ہیں تم میں بہتر وہ ہیں جو دیر سے خفا ہو اور جلد راضی ہو جائے اور بدتر وہ ہیں کہ جو جلد غصہ میں آتے ہیں اور دیر سے خوش ہوتے ہیں۔ غصہ کی مثال ایک ہتھیار کی سی ہے جس سے وہ اپنی حفاظت کرسکتا ہے لیکن یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب وہ ہتھیار کو صحیح طور پر استعمال کرنا جانتا ہو ورنہ خود ہلاک ہو جائے گا یا بیجا طور پر دوسروں کو ہلاک کر دیگا۔ غصہ کا بالکل نابود یا ختم ہو جانا ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیفیت انسان کی جبلت میں رکھی ہے تا کہ اس سے انسان اپنے سے دفع مضرت کر سکے۔ اور ایمان والے ظلم و زیادتی کے مٹانے یا اعلائے کلمۃ الحق کیلئے جہاد غصہ کو قابو کرنا اور اعتدال پر رکھنا ممکن ہے لیکن اس کیلئے پہلے غصہ کے اسباب کو جاننا اور ان سے بچنا بے حد ضروری ہے اور پھر اس مرض کیلئے ریاضت و مجاہدے کی دوا استعمال کرنا چاہئے تا کہ اس پر قابو پایا جا سکے اور اس سے دین و دنیا میں پہنچنے والے نقصان سے بچا جا سکے۔ غصہ کے مختلف اسباب ہیں ان میں سے ایک تکبر ہے کہ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ دوسروں کو اپنے سے حقیر جانتا ہے اور ایسا شخص اپنی بڑائی کے احساس کی وجہ سے اپنی طبیعت کو غصہ کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ کیونکہ وہ تکبر کی وجہ سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا جو بھی اقدام ہے وہ صحیح ہے۔

دوسرا سبب ہے کثرت مذاق یا یعنی کسی کا مذاق اُڑانے کی عادت غصہ کا سبب بنتی ہے اور اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کثرت مذاق و ہجو یا ٹھٹھا کرنے کا انجام غصہ اور لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی کو جب مزاح یا ہجو کا نشانہ بنایا جائے تو اس کو فوراً غصہ آتا ہے اور بدلہ میں ایسی بات کہتا ہے جس سے مذاق کرنے والے کو بھی غصہ آجاتا ہے اور بات لڑائی جھگڑے پر ختم ہوتی ہے۔

غصہ کا ایک سبب عیب لگانا اور برا بھلا کہنا ہے اگر کوئی شخص کسی کے عیب بیان کرتا ہے یا غیبت کرتا ہے یا اس کو برا بھلا کہتا ہے تو یہ بھی غصہ میں لانے کا سبب ہے۔ اسکے علاوہ غرور مال و جاہ کی محبت بھی غصہ کا سبب بنتے ہیں۔

علاج ان تمام نقصانات سے جو غصہ کرنے کے سبب درپیش ہوتے ہیں بچنے کیلئے ضروری ہے کہ غصہ کے اسباب کو جانے اور ان سے اپنے کو دور رکھے کیونکہ یہ تمام باتیں انسان کی دنیا و آخرت کی خرابی کا باعث ہیں اور ان باتوں کی برائی اور نقصان کو اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھائے اور ان بری باتوں کے اختیار کرنے کا ضرر صرف اس شخص کو پہنچتا ہے جو اسکو اختیار کرے۔ اور غصہ کرنے کی مذمت میں جو روایات ہیں ان کو ہمیشہ ذہن نشین رکھے اور ہمای روزمرہ کی زندگی میں غصہ سے ہونے والے نقصانات جسکا ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ کیسے غصہ کے جنون میں ایک شخص کسی کو قتل کر کے یا کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے کر پشیمان ہوتا ہے لیکن کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔ اگر غصہ پر قابو کیا جائے تو ایسے حالات سے بچا جا سکتا ہے۔

<u>**عملی علاج:-**</u> غصہ کا عملی علاج یہ ہے کہ انسان اُس جگہ سے فوری ہٹ جائے جہاں ایسی بات پیدا ہو رہی ہو جس سے اسکو غصہ آئے اور اس جگہ سے ہٹنے کو اپنی کمزوری اور توہین تصور نہ کرے اور اپنی انا کا مسئلہ نہ بنالے۔ حدیث پاک میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی کو غصہ آئے تو وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور اس کو اس طرح بھی غصہ کم نہ ہو تو پانی سے وضو کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غصہ آگ سے پیدا ہوتا ہے پانی سے بجھے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سجدہ کرے اور منہ خاک پر رکھے تا کہ احساس ہو کہ وہ خاک سے بنا ہے اور بندہ کو غصہ کرنا اسے زیب نہیں دیتا اور ان سے غصہ آنے پر لا حول ولا قوہ

الا باللہ العلی العظیم پڑھے۔

اور اگر کوئی شخص اُس سے ایسی بات کرے جس پر غصہ آئے تو چاہئے کہ خاموش رہے اور فوری اس کا جواب نہ دے یا اگر کوئی بہتان طرازی یا الزام تراشی کرے تو بقدر ضرورت اسکی وضاحت کرے تو حرج نہیں لیکن لڑائی جھگڑے سے بچے۔ اگر کوئی فحش کلامی کرے تو صبر سے کام لے جواباً گالی گلوج نہ کرے۔

حکایت:- ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے گالی دی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکے ساتھ تھے حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے تب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ ہی رہے جب انھوں نے اس شخص کو جواب دینا شروع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اُٹھ گئے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں تشریف لے جارہے ہیں اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم خاموش تھے فرشتے تمہاری طرف سے جواب دیتے رہے مگر جب تم جواب دینے لگے تو شیطان آیا میں نے پسند نہ کیا کہ شیطان کے ساتھ بیٹھا رہوں۔

حکایت:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے خادم کو کسی کام سے بھیجا اور جلد واپس آنے کی تاکید فرمائی اس کے باوجود انہوں نے تاخیر کر دی جب واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کو ڈانٹا اور نہ برا بھلا کہا بلکہ صرف اتنا ہی فرمایا کہ اگر روز محشر اللہ پاک کے حضور جواب دہی کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہیں اس لکڑی سے مارتا اور جس لکڑی کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا وہ مسواک تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ

سے دریافت کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں کون تجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ بندہ جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کردے۔حضور رؤف رحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ان تمام کافروں کو جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی مکی زندگی میں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی تھیں اور ستایا تھا معاف فرمادیا جس کے سبب کئی کافر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ان تمام باتوں کی تفصیل اور حکایات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم کو بیجا غصہ کرنے سے بچنا چاہئے اور صبر و حلم کو روا رکھنا چاہئے۔

حرص گویائی

(زیادہ باتیں کرنے کی عادت)

اللہ تعالٰی کی عطا کردہ کروڑوں نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت قوت گویائی ہے کہ یہ نعمت خاص انسان ہی کے حصہ میں آئی ہے بلکہ انسان کو حیوان ناطق کہتے ہیں یعنی بولنے والا حیوان۔زبان ہے تو ایک گوشت کا تکڑا لیکن اس خالق کل کی تخلیق اور حکمت کے قربان جائیں کہ اس خدائے پاک نے کس طرح اس گوشت میں غیر معمولی صلاحیت رکھی ہے کہ یہی گوشت کا تکڑا اور انسان کے کلام کرنے کا آلہ قلب و ذہن کی ترجمانی کے علاوہ دیگر اعضا کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔مثلاً آنکھ نے کیا دیکھا کان نے کیا سنا ناک نے کیا سونگھا جلد نے کیا محسوس کیا یہ ساری باتیں زبان ہی کے ذریعہ سے پتہ چلتی ہیں۔یہ قوت صرف اس عضو کے حصہ میں آئی ہے کہ وہ معقولات محسوسات مکاشفات اور احوال کے اظہار کا واحد ذریعہ ہے لیکن انسان اس آلہ(زبان) کو صحیح طور پر نہ برتے تو یہ نعمت اسکے لئے رحمت کے بجائے زحمت

بن جاتی ہے۔ لہذا ایمان والے بندے کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اچھی طرح جانے کہ اِس نعمت یعنی زبان کو وہ کس طرح استعمال کرے تا کہ اس سے پیدا ہونے والے فتنوں اور شرور سے وہ محفوظ رہے۔ کیونکہ جتنی کمال کی یہ شئے ہے اگر اس پر قابو نہ ہو تو اتنی ہی یہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا و آخرت میں نا قابل تلافی نقصانات کا سبب بنتی ہے۔ زبان کی آفتوں سے آگاہ ہونا اور اس کو لگام دینا بے حد ضروری ہے اور اس کیلئے پہلے اس کی آفتوں سے آگاہی پھر اس پر پابندی کے طریقوں پر کچھ لکھا جائے گا۔ زبان سے پیدا ہونے والے تمام فتنے اور نقصانات کثرت کلام سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھتا اور وہ بغیر لگام کے چلتی رہے تو وہ اس کو سخت نقصاناتِ دنیوی و عذاب اخروی میں مبتلا کرتی ہے۔ اور جس کا دل حرصِ گویائی یعنی زیادہ گفتگو کرنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے بک بک کرتا رہتا ہے کیونکہ اس مریض کو کثرت کلام سے لذت نفس نصیب ہوتی رہتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ کلام کرنے کی لذت اسکے لئے کتنے گناہوں کا ذریعہ بن رہی ہے انسان کے ہر عضو کے کچھ گناہ ہیں جیسے آنکھ کا کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا یا کسی کے مال کو حرص سے بھری یا بری نگاہوں سے دیکھنا۔ پاؤں اس کا ناجائز راہ پر چلنا، ہاتھ کا شریعت کی حرام کردہ چیزوں کا لینا، کان کا بری باتیں مثلاً غیبت سننا یا گانے سننا فحش گفتگو یا جنسی شہوت کو ابھارنے والی باتیں سننا وغیرہ لیکن یہ تمام اعضاء سے کئے جانے والے گناہ سارے مل کر بھی تنہا زبان سے ہونے والے گناہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جتنے گناہ زبان سے سرزد ہوتے ہیں وہ سارے اسی وقت سرزد ہوتے ہیں جب زبان حرص گویائی میں مبتلا ہو۔ وہ گناہ جو زبان سے سرزد ہوتے ہیں ان میں کے چند یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) جھوٹ (۲) غیبت (۳) چغلخوری

(۴) بہتان طرازی (۵) شکوہ شکایت (۶) فحش کلامی

(۷) گانا (۸) دل آزاری (۹) بیجا گفتگو

(۱۰) باطل و معصیت والی گفتگو (۱۱) جھگڑا بحث

(۱۲) لعن طعن کرنا (۱۳) لغو شعر (۱۴) بے ہودہ مذاق

(۱۵) کسی کا مذاق اڑانا (۱۶) جھوٹا وعدہ

(۱۷) دورخاپن (۱۸) لگائی بجھائی (۱۹) لوگوں کی مدح وستائش

اس کے علاوہ بھی اور بہت ساری برائیاں ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے اور یہ جو کچھ لکھی گئیں ہیں ان میں ہر ایک پر مستقل علیحدہ تفصیل ان کی خرابیوں اور نقصانات کے متعلق لکھی جاسکتی ہے۔ اور یہ ساری برائیاں صرف اور صرف زیادہ بات کرنے سے سرزد ہوتی رہتی ہیں اور انسان کثرت گویائی کی وجہ سے ان برائیوں کے کرنے کا اتنا عادی ہوجاتا ہے کہ اس کو احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ وہ یہ ساری کچھ برائیاں اور گناہ اپنے نامہ اعمال میں جمع کررہا ہے۔

اس میں بہت کچھ تفصیل ہے لیکن عقلمند کو اشارہ کافی ہے کہ نصیحت قبول کرنے والے کیلئے تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے اور نہ ماننے والے کیلئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہوتے ہیں۔ اور ان ساری آفتوں اور گناہوں سے جو زیادہ تر زبان سے سرزد ہوتی ہیں یا کثرت گویائی سے۔

بچاؤ کا علاج یہ ہے کہ بندہ خاموش رہے اور خاموشی یا کم گوئی سے بہتر کوئی تدبیر نہیں جو انسان کو اس آفت سے بچاسکتی ہے اور دل میں حکمت کے خزانے بھر سکتی ہے۔ کوئی انسان بالکل ہی کلام نہ کرے یہ ممکن نہیں لہذا اسکی گفتگو یا کلام کیا ہو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

[۳۰] ’’لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَجۡوٰھُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍ م بَیۡنَ النَّاس‘‘ (النساء۔۱۱۴) ترجمہ: (ان کے اکثر مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات کا یا اچھی بات کا یا لوگوں میں صلح کرنے کا) یعنی ان کی گفتگو ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں سچائی کا یا اچھائی کا حکم ہو یا پھر لوگوں کی اصلاح کی باتیں ہوں ورنہ بہتر ہے کہ وہ خاموش رہے تاکہ زبان سے ہونے والے گناہ سے بچ جائے۔

۱۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان باہر نکال کر اس پر انگلی رکھی یعنی خاموشی۔ (کیمیائے سعادت)

۲۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان لایا اس سے کہدو کہ آدمی اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔ (کیمیائے سعادت)

اسکے علاوہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے جو سنجیدہ اور کم گو ہو۔لیکن کم گوئی تکبر کی وجہ سے نہ ہو بلکہ غور و فکر یا زبان سے ہونے والے گناہوں سے بچنے کی نیت سے ہو۔

ارشاد عالی ہے کہ جب تم کسی مومن کو خاموش اور سنجیدہ پاؤ تو اس سے تقرب حاصل کرو وہ بغیر حکمت کے نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک اور حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ انسان کے تمام اعضاء (ہاتھ پاؤں) دست بستہ زبان سے کہتے ہیں کہ اے زبان درست رہ کیونکہ تیری درستگی ہی میں ہماری سلامتی ہے۔یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی زبان سے نازیبا، غلط بات نکلتی ہے اور سزا دیگر

اعضا کو ملتی ہے یا دیگر اعضا کو اس کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔

انسان کی زبان کی مثال ایک ایسے ہتھیار کی سی ہے کہ اگر اسکو صحیح طور پر استعمال نہ کیا جائے یا استعمال کے طریقہ سے واقف نہ ہوتو خود یہ ہتھیار استعمال کرنے والے کے حق میں ہی ہلاکت خیز ثابت ہوتا ہے۔اور وہ نقصان پہنچاتا ہے کہ ہتھیار سے پہنچا ہوا زخم تو بھر بھی جاتا ہے لیکن اس کا دیا ہوا زخم ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔

<u>حکایت:-</u> حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابوبکر صدیقؓ کو دیکھا کہ اپنی زبان کو انگلیوں سے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں اور اس کو ملتے جاتے ہیں میں نے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ! یہ آپ کیا کررہے ہیں آپ نے جواب دیا اِس نے مجھکو بہت سے معاملات میں مبتلا کیا اور آپ کا معمول یہ تھا کہ آپؓ اپنے منہ میں کنکریاں بھر لیتے تھے تاکہ بات کرنے کی نوبت نہ آئے۔

حضرت عیسی علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ہم کو جنت میں جانے کا راستہ بتا دیجئے تو آپ نے فرمایا ہرگز بات نہ کرو لوگوں نے کہا یہ تو ہم سے نہیں ہوسکتا! تو آپ نے فرمایا تو پھر سوائے نیک بات کے زبان سے کچھ نہ نکالو۔

لہذا خاموشی جو حکمت سے لبریز ہو وہ سب سے بہتر ہے ورنہ کلام کی نوبت آئے تو بہتر ہے کہ کتاب اللہ کی تلاوت یا حدیث نبویؐ میں مشغول ہو یا دینی کتابوں کا مطالعہ جیسے سیرت النبیؐ یا اولیاءاللہ کی حکایات یا ذکر و درودِ شریف وغیرہ میں زبان کو مشغول رکھا جائے تاکہ زبان سے پہنچنے والی آفتوں اور نقصانات سے محفوظ رہے۔

بدگمانی

اللہ تعالیٰ نے جن بری باتوں سے باز رہنے کی سختی کے ساتھ تاکید فرمائی ہے ان میں ایک بدگمانی بھی ہے ارشاد ربانی ہے ''یَآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْ کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ '' (الحجرات۔آیت ۱۲) اے ایمان والو! بہت سے بدگمانیوں سے بچو بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے)۔

بدگمانی ایک قسم کے جھوٹے وہم کو کہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں مبتلا شخص دوسروں کے ہر کام میں ان کو بدنیت سمجھتا ہے اور کسی کام میں بھی اس کو نیت کی اچھائی نظر نہیں آتی اور دوسروں کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کر کر بہتان تراشی کے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب دوسروں کو اس کے لگائے گئے اس بہتان کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس سے کترانے اور نفرت کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ جو جذبہ اخوت اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدگمانی سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ''تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے''۔

(کیمیائے سعادت)

دور حاضر میں آپسی انتشار بالخصوص رشتہ داروں میں دوریاں اور نفرت کی ایک بہت بڑی وجہ بدگمانی ہی ہے اور عورتوں کے دل بہت جلد اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے رشتہ دار بالخصوص سسرالی رشتہ دارں پر شک وشبہ اور ان سے نفرت میں مبتلا رہتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں دیکھنے میں آتا ہے کہ رشتہ دارں میں آپس میں چھوٹی موٹی ناگوار باتیں ہوتی رہتی ہیں بعض رشتہ داریاں جیسے ساس اور بہو یا نند اور بھاوج یا دیورانی

جٹھانی کا رشتہ۔ان میں کچھ زیادہ ہی ناگواریاں اور تلخیاں دیکھنے میں آتی ہیں اب اس کے اسباب کیا ہیں یہ ایک الگ موضوع ہے مگران رشتوں کے بیچ جب تلخیاں پیدا ہوتی ہیں تو اس کے سبب دوریاں بڑھتی ہیں اور شیطان ان دوریوں کو ہوا دینے کیلئے دل میں بدگمانی کا بیج بوتا ہے اوران دوریوں کے دوران اگر کوئی انہونی بات ہوجائے یا کوئی معاشی یا جسمانی مصیبت آن پڑے تو شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ان تمام پریشانیوں کی وجہ وہ رشتہ دار یا اعزہ ہی ہیں جن سے ان کے اختلافات کا سلسلہ چل رہا ہے اوران کی جانب سے کسی جادوٹونے نے ان تمام مصیبتوں کا دروازہ کھولا ہے اوراس بدگمانی کے سبب آپس میں دوریاں اور بڑھتی جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے نفرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اوراچھے خاصے آباد گھر اجاڑ اور ویران ہوجاتے ہیں، رشتہ ناتے ٹوٹ جاتے ہیں، خونی رشتہ دار ایک دوسرے کے جان و مال کے دشمن بن جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں رحمٰن کو ناراض اور شیطان کو خوش کرنے والی ہیں۔اور شیطان ابن آدم کواس حال میں دیکھ کر جو بدگمانی کے سبب اس کا ہوا مسرور ہوتا ہے۔بدگمانی کو تقویت پہنچانے کا کام بعض لوگ تو خود اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں وہ یہ کہ آپسی بدگمانیوں کے چلتے صرف شک کی وجہ سے کہ کسی نے جادوٹونا کروایا ہے کسی جھوٹے عامل کے پاس رجوع ہوتے ہیں جن کی آج کل گلی گلی دکانیں لگی ہیں اور یہ پیشہ ور، بے دین، اور کاذب قسم کے لوگ اپنی روٹی سیکنے کیلئے آپسی بدگمانیوں کواور ہوا دیتے ہیں اوران لوگوں کواس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ان کی تمام پریشانیوں کی وجہ ان کے وہ رشتہ دار ہی ہیں جن سے ان کے اختلافات ہیں پھر کیا ہے کہ بدگمانی کا بیج اپنی بہار دکھاتا ہے اور زہریلے پھل پھول لانے لگتا ہے اور یہ زہر آلودہ پھل پھول خاندانی خوشیوں کو ہلاکت میں مبتلا کردیتے ہیں۔بدگمانی سے پیدا شدہ تباہی

اور بربادی کی طویل داستانیں ہیں جن کے لکھنے کیلئے یہ کتاب کافی نہیں ایک بہت بڑی تعداد لوگوں کی صرف اور صرف بدگمانی کی وجہ سے بے غیرت اور جھوٹے قسم کے عاملوں کی روزی رسانی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اوران کے پیچھے لگ کر اپنی دنیا مال واسباب اور آخرت برباد کررہے ہیں۔اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جادوٹونا کی اپنی اصل ہے اوراس کا اپنا وجود ہے اور یہ کوئی وہم یا خیالی چیز نہیں ہے لیکن محض شک وشبہ اور آپسی بدگمانی کی بنیاد پر کسی اتفاقی طور پر پیش آئے حادثہ کو یا زندگی کے نشیب وفراز کو جو ہر زندگی کی اٹل حقیقت ہے سحر و جادو کا نتیجہ سمجھنا محض نادانی اور جہالت ہے اور واقعتاً کوئی شخص سحر و جادو سے متاثر ہوا ہے یا نہیں یہ طے کرنا بھی اس فن کے ماہر اشخاص اور وہ بھی دیندار فن داں کا کام ہے نا کہ ان لوگوں کا جو ٹھیک سے نہ طہارت کے احکام جانتے ہیں اور نہ قرآن مجید کی ایک آیت کی صحیح تلاوت کر سکتے ہیں بلکہ صرف جھوٹ اور دھوکہ بازی سے اور چکنی چپڑی باتوں اور قیاس آرائیوں سے لوگوں کو اپنے جال میں پھانستے ہیں اور لوگوں کی زندگیوں اور دین کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں اس قسم کے لوگ تو خاندانی تعلقات کی تباہی اور رشتہ ناطوں میں نفرتیں ڈالنے کے مجرم تو ہیں ہی لیکن وہ لوگ بھی برابر ان کے جرم میں شریک ہیں جو ان پر اندھا اعتقاد کرتے ہیں اور ان کی جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ ساری تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ بدگمانیاں تو کسی بھی تعلقات میں یا کوئی بھی رشتہ میں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن زیادہ تر بدگمانی کی بیماری جن تعلقات میں دیکھنے میں آتی ہیں وہ وہی آپسی رشتہ داریاں ہیں جن کی تفصیل ہم نے اس عنوان کے شروع میں ذکر کی ہیں۔ بدگمانی رشتہ داروں میں ہو یا کسی اور تعلقات میں یہ مرض خطرناک امراض میں سے ہے جو زندگیوں کے سکون کو اور آپسی تعلقات کو تباہ و برباد کردیتا ہے اور یہ مرض اگر ایک مرتبہ

دل میں جگہ پکڑ لے اور اس کا بروقت علاج نہ کیا جائے تو یہ مسلسل بڑھتا ہی رہتا ہے اور اتنا شدت اختیار کر لیتا ہے کہ عقل کی بینائی پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا شخص ایک اندھے کی طرح صرف قیاس واندازہ کی بھول بھلیوں میں کھو کر حقیقت سے دور شک وشبہ کی خطرناک گھاٹیوں میں بھٹکتا رہتا ہے اور ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتا اور نقصانات اٹھاتا رہتا ہے اگر کوئی شخص اپنے کو اس مرض میں مبتلا پائے جس کی علامات ہم نے اس عنوان کے آغاز میں بیان کی ہیں تو اس کو چاہئے کہ فوری اس کے علاج کی فکر کرے۔

<u>علاج:-</u> اگر کسی سے متعلق یہ شک وشبہ پیدا ہو کہ وہ کسی کام میں اپنی نیت میں مخلص نہیں ہے تو شک وشبہ کی گردن کو یقین کی تلوار سے کاٹا جائے اور اس قسم کے معاملات میں بجائے شک شبہ کی بنیاد پر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے تحقیق کے ذریعہ صحیح نتیجہ اخذ کرے اور یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس شخص پر بھروسہ کرے کیونکہ اس دنیا میں اکثر کام صرف بھروسہ اور اعتماد پر ہی چلتے ہیں۔ دنیا کی مالی معاملات ہوں یا رشتہ داریاں ہوں بھروسہ اور اعتماد کی ڈور میں ان کو باندھے ہوئے ہیں ورنہ سارا نظام چاہے لین دین کا ہو یا رشتہ داریوں کا درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم کو کسی سے کسی بات میں غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور شک وشبہ بدگمانی کو تقویت دے رہا ہے تو سمجھداری یہ ہے کہ فوری طور پر اس مسئلہ میں راست طور پر اس شخص سے وضاحت طلب کر لینا خاموش رہ کر بدگمانی کو تقویت دینے سے بہتر ہے یا اگر ہم یہ محسوس کریں کہ کوئی ہم سے بدگمان ہو رہا ہے تو فوری ہم کو چاہئے کہ اس کی بدگمانی کو دور کریں اس کی مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ہم کو ملتی ہے۔

<u>حکایت:-</u> ایک دفع آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں بیٹھے تھے رات کو ازواج مطہرات میں

سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو واپس پہنچانے چلے کہ اتفاقاً راستہ میں دو انصاری آپڑے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنے آنے کو بے موقع سمجھے اور واپس پھرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری آواز دی اور فرمایا یہ میری بیوی فلاں ہے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے کسی کے ساتھ بدگمانی کرنی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتا؟ ارشاد فرمایا شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

زندگی میں اکثر ایسے مواقع آتے ہیں کہ ہماری طرف سے وضاحت یا وضاحت طلب کرنے سے بدگمانی کا خاتمہ ہوسکتا ہے لیکن ہم اس کو ضروری نہ سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ اس بیماری میں شدت کی صورت پیدا کر دیتا ہے اور یہ مرض لا علاج حد تک پہنچ جاتا ہے اس بیماری کا علاج یہ بھی ہے کہ جن رشتہ داروں سے یا دیگر لوگوں سے ہم کو بدگمانی ہوجائے تو ان سے تعلقات ہرگز منقطع نہ کریں جیسا کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے بالخصوص رشتہ داروں سے بدگمانی کے سبب تعلقات ترک ہو جاتے ہیں۔ رشتہ ناطے اور تعلقات کو جوڑے رکھنے کی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے اور شریعت اسلامیہ میں تو اس کیلئے ایک خاص اصطلاح جس کو صلہ رحمی یعنی رشتہ ناطے جوڑے رکھنا کہتے ہیں مقرر فرمائی ہے اور صلہ رحمی کی قرآن مجید وحدیث شریف میں جگہ جگہ تاکید آئی ہے اور قاطع رحم کیلئے وعیدیں (دھمکیاں) وارد ہوئی ہیں۔ اور خاص طور پر ایسے رشتہ دارں سے جو بدگمان رہتے ہیں اور قاطع رحم (رشتہ توڑنے والے) واقع ہوتے ہیں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے۔

حکایت : ایک شخص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے رشتہ دار عجیب قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان کو نوازتا ہوں وہ مجھ سے چھینتے ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔اس شخص کی یہ بات سن کر حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے شخص اگر بات واقعتاً ایسی ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو سن کہ وہ اپنے اس عمل سے جہنم کا عذاب اپنے پر مسلط کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ تجھ کو ان پر غالب رکھے گا۔(مکاشفۃ القلوب) اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایسے رشتہ داروں سے جو زیادتی کرتے ہیں صلہ رحمی (رشتہ داری جوڑنا) سے پیش آنا اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔اور بدگمانی کے مرض کا اس طرح بھی علاج ممکن ہے کہ جن کو ہم سے بدگمانی ہوئی ہے ان کے ساتھ حسن سلوک یا احسان کا معاملہ کیا جائے یا تحفہ تحائف سے ان کی تالیف قلب کی جائے کہ تحفہ دینے اور لینے سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ
سَیِّدُنَا وَمَوْلَانَامُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ

☆☆☆☆☆